29

بیویوں میں سے کسی ایک ہی کی طرف میلان کی ممانعت

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ۭ وَاِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ وَاِنْ يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ﴾

''اور تم سے یہ کبھی نہ ہو سکے گا کہ تم اپنی بیویوں میں ہر طرح سے عدل کرو، خواہ تم اس کی کتنی ہی خواہش رکھو، پھر تم کسی ایک کی طرف پوری طرح مائل نہ ہو جاؤ کہ دوسری کو بیچ میں لٹکتی چھوڑ دو اور اگر تم اصلاح کا رویہ اختیار کرو اور پرہیز گار بنو تو اللہ بہت بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے اور اگر وہ دونوں (میاں بیوی) ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں تو اللہ اپنے فضل سے ہر ایک کو (دوسرے سے) بے نیاز کر دے گا۔''[1]

اس آیت میں اللہ تعالیٰ آگاہ فرماتا ہے کہ شوہر اپنی بیویوں کے درمیان انصاف نہیں کر سکتے۔ پورا پورا عدل و انصاف کرنا ان کے بس کی بات نہیں کیونکہ عدل کا تقاضا تو یہ ہے کہ تمام بیویوں سے یکساں محبت ہو، محبت کا داعیہ سب کے لیے برابر ہو اور قلبی

[1] النسآء 4: 129،130.

میلان بھی ان سب کے لیے مساوی ہو۔ پھر اس کے تقاضے کے مطابق عمل ہو مگر ایسا کرنا ناقابل عمل ہے، اس لیے کہ جو چیز انسان کے بس میں نہیں، اللہ تعالیٰ نے اسے معاف کر دیا ہے اور اسی چیز کی ممانعت فرمائی ہے جو انسان کے بس میں ہے، چنانچہ فرمایا: ﴿فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ﴾ ''ایک ہی طرف اس طرح مائل نہ ہو جاؤ کہ دوسری (بیوی) کو ایسی حالت میں چھوڑ دو کہ گویا وہ لٹک رہی ہے۔'' یعنی تم ایک طرف بہت زیادہ نہ جھک جاؤ کہ ان کے واجب حقوق بھی ادا نہ کر سکو بلکہ مقدور بھر عدل و انصاف سے کام لو۔ پس نان و نفقہ، لباس اور شب باشی کی تقسیم وغیرہ ایسے امور ہیں جن میں عدل کرنا تم پر فرض ہے، اس کے برعکس محبت اور مجامعت وغیرہ میں عدل و انصاف ممکن نہیں، پس جب شوہر بیوی کے وہ حقوق ادا نہیں کرتا جنھیں ادا کرنا واجب ہے تو بیوی اس کسمپرسی معلق عورت کی طرح ہو جاتی ہے جس کا خاوند ہی نہیں ہوتا کہ جس سے وہ راحت حاصل کرے۔[1]

اس میں کوئی شک نہیں کہ عورتوں کے درمیان ہر لحاظ سے عدل و مساوات ممکن ہی نہیں، چاہے باری باری شب باشی کی تقسیم برابر ہو، پھر بھی محبت، چاہت اور مجامعت میں یقیناً فرق رہتا ہے۔[2]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیویوں کی باری مقرر کرنے میں عدل و انصاف کرتے تھے اور پھر فرماتے تھے:

«اَللّٰهُمَّ! هٰذَا قَسْمِي فِيمَا أَمْلِكُ فَلَا تَلُمْنِي فِيمَا تَمْلِكُ وَلَا أَمْلِكُ»

[1] تفسیر السعدي، ص: 225. [2] المصباح المنیر، ص: 329.

"اے اللہ! یہ میری تقسیم اس چیز میں ہے جس کی مجھے قدرت ہے۔ سو مجھے اس چیز پر ملامت نہ کرنا جس میں صرف تیرا اختیار ہے، میرا کوئی اختیار نہیں۔"[1] یعنی دلی محبت میرے بس میں نہیں کہ کم یا زیادہ ہو جائے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے انھیں اصلاح اور تقویٰ کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَاِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا﴾ "اور اگر تم صلح کرلو اور تقویٰ اختیار کرو۔" یعنی اگر تم اپنے معاملات میں اصلاح کرلو اور حتی الوسع عدل و انصاف سے کام لو اور ہر حال میں اللہ سے ڈرتے رہو تو اللہ تعالیٰ تمھارے اس طبعی رجحان کو معاف کردے گا۔[2]

یہ چیز اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ صلح کے لیے علی الاطلاق ہر طریقہ بروئے کار لایا جائے۔[3]

پھر فرمایا: ﴿وَاِنْ يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ﴾ "اور اگر وہ دونوں الگ ہو جائیں تو اللہ ہر ایک کو اپنے فضل سے بے نیاز کردے گا۔"

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تیسری انتہائی صورت کا ذکر فرمایا ہے کہ اگر سابقہ دونوں صورتیں کارگر ثابت نہ ہوں تو پھر یہ انتہائی قدم اٹھائیں۔ گویا یہ تینوں صورتیں بالترتیب یوں ہیں:

① مرد عورت سے نفرت کرتا ہو۔

② عورت کے ساتھ موافقت ہو۔

① سنن أبي داود، النكاح، باب في القسم بين النسآء، حديث: 2134، وجامع الترمذي، النكاح، باب ماجاء في التسوية بين الضرائر......، حديث: 1140. ② المصباح المنير، ص: 329. ③ تفسير السعدي، ص: 225.

③ مرد عورت کو اپنے سے جدا کردے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اگر وہ علیحدگی اختیار کرلیتے ہیں تو ان میں سے ہر ایک کو اللہ تعالیٰ دوسرے سے بے نیاز کردے گا، یعنی اللہ تعالیٰ اس مرد کو اس عورت کے عوض اس سے بہتر بیوی دے دے گا اور اس عورت کو اس مرد سے بہتر خاوند عطا کرے گا۔[1]

اس میں زوجین میں سے ہر ایک کے لیے طلاق کے بعد تسلی دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے بے نیاز کردے گا۔[2] پھر آیت کا اختتام درج ذیل فرمان سے کیا: ﴿وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِيْمًا﴾ یعنی اللہ تعالیٰ وسیع فضل والا اور عظیم احسانات والا ہے، وہ اپنے تمام افعال و اقدار اور شریعت میں حکیم ہے۔[3]

30

کلالہ کی میراث

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَسْتَفْتُوْنَكَ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗٓ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ وَهُوَ يَرِثُهَآ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ وَاِنْ كَانُوْٓا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّنِسَآءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ﴾

"(اے نبی!) لوگ آپ سے فتویٰ پوچھتے ہیں، کہہ دیجیے: اللہ "کلالہ" کے

① المصباح المنير، ص: 329. ② حسن الأسوة، ص: 74. ③ المصباح المنير، ص: 329.

بارے میں حکم دیتا ہے کہ اگر کوئی شخص مرجائے جس کی اولاد نہ ہو اور اس کی ایک بہن ہو تو اس کے لیے بھائی کے چھوڑے ہوئے مال کا آدھا حصہ ہے۔ اور اگر بہن کی اولاد نہ ہو تو اس کا بھائی اس کا وارث ہوگا، پھر اگر بہنیں دو (یا دو سے زیادہ) ہوں تو ان کے لیے بھائی کے چھوڑے ہوئے مال کا دو تہائی ہے۔ اور اگر کئی بھائی بہن، مرد اور عورتیں (وارث) ہوں تو مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصے کے برابر ہوگا۔''[1]

اس آیت کی شان نزول یہ ہے: سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ میرے گھر تشریف لائے، میں اس قدر بیمار تھا کہ مجھ پر بے ہوشی کے دورے پڑ رہے تھے۔ آپ ﷺ نے وضو کیا اور مجھ پر پانی بہایا، یا فرمایا: ''اس پر بہادو۔'' تو مجھے ہوش آ گیا۔ میں نے کہا: میرا سوائے کلالہ کے کوئی وارث نہیں تو میری میراث کس طرح تقسیم ہوگی۔ وہ کہتے ہیں کہ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے آیت میراث نازل فرمائی۔[2] اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ لوگوں نے رسول اکرم ﷺ سے کلالہ کے بارے میں سوال کیا۔ گویا آیت کے معنی یہ ہوئے کہ وہ آپ سے کلالہ کے بارے میں فتویٰ طلب کرتے ہیں، انھیں کہہ دیجیے کہ اللہ تعالیٰ تمھیں اس بارے میں فتویٰ دیتا ہے۔ اس میں دوسرے ﴿يُفْتِيكُمْ﴾ کے بعد مذکور لفظ ''کلالہ'' پہلے ﴿يَسْتَفْتُونَكَ﴾ کے بعد محذوف لفظ کلالہ پر دلالت کرتا ہے۔

''کلالہ'' اکلیل (تاج) سے ماخوذ ہے جو سر پر باندھا جاتا ہے اور سر کو ہر طرف

[1] النسآء 4 : 176. [2] صحيح البخاري، المرض، باب وضوء العائد للمريض، حديث: 5676، وصحيح مسلم، الفرائض، باب ميراث الكلالة، حديث : 1616.

سے ڈھانپ لیتا ہے۔ اس لیے اکثر علماء نے اس کی تفسیر یوں کی ہے: وہ شخص جو اس حال میں مرے کہ اپنے پیچھے اولاد چھوڑے نہ باپ۔[1] (جس طرح اکلیل پورے سر کو لپیٹ لیتا ہے، اسی طرح اس کلالہ کی میراث کو اصل اور فرع نہ ہونے کی وجہ سے باقی ورثاء لپیٹ کر لے جاتے ہیں۔)

شیخ عبدالرحمٰن سعدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کلالہ سے مراد وہ میت ہے جس کی نہ صلبی اولاد ہو، نہ بیٹے کی اولاد ہو اور نہ باپ دادا ہوں۔ اس لیے فرمایا: ﴿إِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهُۥ وَلَدٌ﴾ ''اگر کوئی ایسا مرد مرجائے جس کی اولاد نہ ہو۔'' یعنی اس کا کوئی بیٹا بیٹی ہو اور نہ بیٹے کی اولاد ہو۔[2]

- آیت کے معنی یہ ہیں کہ اگر کوئی شخص فوت ہوجائے جس کے بیٹے بیٹیاں نہ ہوں اور والد بھی نہ ہو لیکن اس کی حقیقی یا علاتی بہن ہو تو وہ اپنے بھائی کی نصف میراث (ترکے) کی وارث ہوگی۔ اس میں زمین، نقدی اور سونا وغیرہ تمام ترکہ شامل ہوگا۔ یہ عمل ادائے قرض اور وصیت پوری کرنے کے بعد ہوگا۔
- اسی طرح کلالہ کا اگر صرف حقیقی یا علاتی بھائی ہو تو وہ پوری میراث کا وارث ہوگا۔ اس کا مقرر حصہ نہیں ہے بلکہ عصبہ ہونے کے اعتبار سے وہ تمام ترکے کا وارث ہوگا، بشرطیکہ اس کے ساتھ کوئی صاحب فرض (جس کا حصہ مقرر ہو) نہ ہو یا کوئی اور عصبہ شریک نہ ہو۔
- اگر کلالہ کی دو یا دو سے زیادہ بہنیں ہوں تو وہ دو تہائی ($\frac{2}{3}$) کی وارث ہوں گی۔ اگر بہنیں اور بھائی کلالہ شخص کے وارث ہوں تو بطور عصبہ وارث بنیں گے اور مرد کو عورت

[1] المصباح المنير، ص: 347. [2] تفسير السعدي، ص: 238.

سے دوگنا ملے گا۔ پس عورتوں کا مقرر حصہ ($\frac{2}{3}$) ساقط ہوجائے گا اور ان کے بھائی انھیں عصبہ کی حیثیت دے دیں گے۔[1]

پھر آیت کا اختتام درج ذیل الفاظ سے کیا: ﴿ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ تم پر فرائض مقرر کرتا ہے، حدود متعین کرتا ہے اور اپنے احکام واضح کرتا ہے تاکہ تم حق کے واضح ہوجانے کے بعد گمراہ نہ ہو۔[2]

تاکہ تم اس کے بیان سے راہ ہدایت پالو، اس کے احکام پر عمل کرو اور صراطِ مستقیم پر کاربند ہوجاؤ۔ اللہ تعالیٰ تمام امور کے انجام، مصالح اور اس میں بندوں کی بھلائی سے خوب واقف ہے۔ مرنے والے اقرباء میں سے جو جو اپنی قرابت کے لحاظ سے جتنا جتنا مستحق ہے، اللہ اس سے آگاہ ہے اور اس کے بیان اور تعلیم کے تم جس قدر محتاج ہو، اللہ اسے بھی جانتا ہے۔ وہ اپنے علم میں سے تمھیں علم سکھاتا ہے جو تمھیں ہر زمان و مکان میں ہمیشہ فائدہ دے گا۔[3]

31

پاک دامن اہل کتاب خواتین

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

① المصباح المنير، ص: 348، وتفسير السعدي، ص: 238. ② المصباح المنير، ص: 348. ③ المصباح المنير، ص: 348، وتفسير السعدي، ص: 238.

﴿ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ ﴾

''اور تمھارے لیے پاک دامن مسلمان عورتیں اور ان لوگوں کی پاک دامن عورتیں حلال ہیں جنھیں تم سے پہلے کتاب دی گئی جبکہ تم انھیں ان کے مہر دے دو، نیز انھیں نکاح کی قید میں لانے والے بنو نہ کہ بدکاری کرنے والے اور نہ چھپی آشنائی رکھنے والے۔''[1]

اس آیت کریمہ میں یہود و نصاریٰ کی آزاد عفت مآب عورتوں سے نکاح کو حلال قرار دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس نے تمھارے لیے جس طرح آزاد مومنات پاک دامن عورتوں سے نکاح کو حلال قرار دیا، اسی طرح یہود و نصاریٰ کی آزاد پاک دامن عورتوں سے بھی نکاح کو جائز قرار دیا۔ اور محصنات سے مراد بدکاری سے پاک رہنے والی خواتین ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے دوسری آیت میں فرمایا: ﴿ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ﴾ ''جب وہ نکاح میں لائی گئی ہوں بدکاری کرنے والی نہ ہوں اور چھپے یار بنانے والی بھی نہ ہوں۔''[2] اللہ تعالیٰ نے پاک دامن اہل کتاب عورتوں کو ان کے مہر ادا کرنے کے بعد ان سے بھی نکاح کو جائز قرار دیا ہے اور جس کی نیت مہر ادا کرنے کی نہ ہو، اس کے لیے ان سے نکاح جائز نہیں۔ اگر وہ عورت سمجھ دار ہے تو مہر اسے دینے کا حکم ہے ورنہ شوہر اس عورت کے ولی کو مہر دے دے۔ مہر عورتوں کے سپرد کرنے کا حکم اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ عورت پورے مہر کی مالک ہوتی ہے۔ اگر وہ خود خاوند اور ولی وغیرہ کو نہ دے تو کسی کے لیے

① المآئدة 5: 5. ② النسآء 4: 25.

اس سے جبراً مہر کی رقم لینا جائز نہیں۔ ﴿مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ﴾ یعنی اے شوہرو! اس حال میں کہ تم اپنی بیویوں کی عفت کی حفاظت کر کے انھیں پاک باز رکھو نہ کہ اس حال میں کہ تم ہر ایک کے ساتھ زنا کرتے پھرو۔[1] اور نہ اس حالت میں کہ تم اپنی معشوقاؤں سے بدکاری کرو۔ اس میں زمانۂ جاہلیت میں رائج زنا کے طریقوں کا رد ہے۔ اس طرح کہ کچھ لوگ کسی بھی عورت سے زنا کرتے تھے اور کچھ لوگ صرف اپنی معشوقہ سے بدکاری کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے واضح فرما دیا کہ یہ تمام صورتیں پاک دامنی کے منافی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جس طرح عورتوں سے نکاح کے لیے ان کی پاک دامنی کی شرط عائد کی ہے، اسی طرح یہ شرط مردوں پر بھی پوری طرح لاگو ہے، یعنی مرد بھی پاک دامن اور بدکاری سے دور رہنے والا ہو۔[2]

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد بہت سے لوگوں نے اہل کتاب عورتوں سے نکاح کیے۔ صحابہ کی ایک کثیر جماعت نے عیسائی عورتوں سے نکاح کیا۔ وہ اس آیت کریمہ سے دلیل لیتے تھے اور اس میں کوئی حرج محسوس نہیں کرتے تھے: ﴿وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ﴾ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس آیت کو سورۂ نساء کی آیت: ﴿وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ﴾ کا مخصص قرار دیا ہے۔ اگرچہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اہل کتاب کی عورتیں بھی اس کے عموم میں داخل ہیں۔ درست بات یہ ہے کہ اس میں کوئی معارضہ نہیں ہے کیونکہ اہل کتاب کا ذکر مشرکین سے الگ ہوا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ﴾

[1] تفسير السعدي، ص: 243. [2] المصباح المنير، ص: 385.

”اہل کتاب کے کافر اور مشرکین (کفر سے) رکنے والے نہ تھے۔“[1]

البتہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما عیسائی عورتوں سے نکاح جائز نہیں سمجھتے تھے اور فرماتے تھے کہ مجھے نہیں معلوم کہ عیسیٰ علیہ السلام کو رب بنانے سے بڑا شرک اور کیا ہے؟[2]

32

چوری کرنے والی عورت کی سزا

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ﴾

”اور تم چوری کرنے والے مرد اور چوری کرنے والی عورت کے ہاتھ کاٹ دیا کرو، یہ اللہ کی طرف سے اس گناہ کی عبرت ناک سزا ہے جو انھوں نے کیا۔“[3]

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے «سَارِق» کے ساتھ «سَارِقَة» کا لفظ اس معاملے کی زبردست اہمیت کے پیش نظر بیان فرمایا ہے کیونکہ قرآن مجید میں اکثر اوقات تشریع احکام میں مردوں ہی کے ذکر پر اکتفا کیا گیا ہے۔

«سَرِقَة» ”را کے کسرہ کے ساتھ“ چوری شدہ چیز کو کہتے ہیں اور «السَّرِقُ» مصدر کا معنی ہے آنکھوں سے اوجھل خفیہ طریقے سے کوئی چیز پکڑنا۔ اس آیت میں «سَارِقٌ»

[1] البينة 98:1. [2] المصباح المنير، ص: 357. [3] المآئدة 5: 38.

کے لفظ کو «سَارِقَةٌ» کے لفظ سے مقدم رکھا گیا ہے۔ جبکہ زنا سے متعلقہ آیت میں «زَانِيَةٌ» کے لفظ کو «زَانِي» سے مقدم کیا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مرد عموماً چوری میں عورتوں کی نسبت زیادہ رغبت رکھتے ہیں جبکہ زنا میں عورتیں مردوں سے زیادہ میلان رکھتی ہیں۔ اور ہاتھ کاٹنے کا مطلب ہے کہ مرد اور عورت میں سے جو بھی چوری کرے، اس کا ہاتھ کلائی سے کاٹ دو۔[1]

چور وہ شخص ہے جو دوسروں کا مُحرز و محفوظ مال ان کی رضامندی کے بغیر ہتھیاتا ہے۔ بدترین سزا، یعنی دایاں ہاتھ کاٹنے کا موجب ہونے کے باعث چوری کا شمار کبیرہ گناہوں میں ہوتا ہے جیسا کہ بعض صحابہ کی قراءت ہے کہ ہاتھ دایاں کاٹا جائے گا۔ ہاتھ کا اطلاق کلائی کے جوڑ تک ہتھیلی پر ہوتا ہے۔ جب کوئی چوری کرے تو اس کا دایاں ہاتھ کلائی سے کاٹ دیا جائے گا اور اس کے بعد اسے تیل میں داغ دیا جائے گا تاکہ رگیں مسدود ہوجائیں اور خون رک جائے۔ سنت نبوی نے آیت کی اس عمومی نوعیت کو کئی پہلوؤں سے محدود کیا ہے۔

❁ **حفاظت:** چوری کا اطلاق اس وقت ہوگا جب مال محفوظ جگہ سے اٹھایا جائے۔ مال کی حفاظت سے مراد وہ معیار حفاظت ہے جو عموماً اختیار کیا جاتا ہے، مثلاً: گھر کی حدود میں موجود مال۔ اگر کسی نے غیر محفوظ مال چوری کیا تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

❁ **نصاب:** چور کا ہاتھ اس وقت کٹے گا جب مسروقہ مال تا حد نصاب ہو۔ اور نصاب کم از کم ربع ($\frac{1}{4}$) دینار یا تین درہم یا ان کے مساوی مالیت ہے۔ اگر اس سے کم مالیت یا کم مالیت والی چیز ہو تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

---

[1] حسن الأسوة، ص: 77.

شاید یہ تفصیل لفظ سرقہ یا اس کے معنی سے ماخوذ ہے کیونکہ ''سرقہ'' سے مراد کوئی چیز اس طرح لینا ہے کہ اس سے احتراز ممکن نہ ہو اور یہ اسی وقت ہوگا جب مال کو محفوظ رکھا گیا ہو۔ اگر مال بحفاظت نہ رکھا گیا ہو تو یہ شرعی سرقہ میں شمار نہیں ہوگا۔

یہ بھی حکمت کا تقاضا ہے کہ معمولی اور حقیر شے میں ہاتھ نہ کاٹا جائے۔ اس کے لیے کم از کم چوری کے نصاب کا تعین ضروری ٹھہرا۔ اور کتاب اللہ کی تخصیص شرعی دلیل ہی سے ہوگی جیسا کہ حدیث سے اس نصاب کا تعین ہوگیا کہ وہ کم از کم ربع $\frac{1}{4}$ دینار ہے۔

چوری میں ہاتھ کاٹنے کی حکمت یہ ہے کہ اس سے مال محفوظ ہوجاتے ہیں اور وہ عضو بہرحال کٹ ہی جانا چاہیے جس نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی کی اور یہ شرمناک جرم کیا۔[1]

رہا یہ سوال کہ چور کا ہاتھ کب کاٹا جائے گا؟ تو اس بارے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«تُقْطَعُ يَدُ السَّارِقِ فِي رُبْعِ دِينَارٍ فَصَاعِدًا»

''ربع $\frac{1}{4}$ دینار اور اس سے زیادہ (کی چوری) میں چور کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔''[2]

یہ حدیث اس مسئلہ میں فیصلہ کن ہے اور ربع ($\frac{1}{4}$) دینار تک کی چوری پر ہاتھ کاٹنے کے بارے میں نص ہے۔

اگر کوئی شخص باز نہ آئے، بار بار چوری کرے تو پہلی بار اس کا ہاتھ کلائی سے کاٹ

---

[1] تفسير السعدي، ص: 254,253. [2] صحيح البخاري، الحدود، باب قوله تعالىٰ: ﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوٓا اَيْدِيَهُمَا﴾ وفي كم يقطع؟ حديث: 6790، وصحيح مسلم، الحدود، باب حد السرقة ونصابها، حديث: 1648.

دیا جائے، دوسری بار چوری کرے تو اس کا بایاں پاؤں کاٹ دیا جائے، پھر چوری کرے تو بعض اہل علم کہتے ہیں کہ اس کا بایاں ہاتھ بھی کاٹ دیا جائے۔ اس کے باوجود بھی باز نہ آئے تو اس کا دایاں پاؤں بھی کاٹ دیا جائے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ اسے تاحیات جیل میں قید کردیا جائے۔[1] ﴿جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ﴾ یعنی یہ ہاتھ کاٹ دینا چور کو اس جرم کی سزا ہے کہ اس نے لوگوں کا مال چرایا۔ یہ سزا چور اور دیگر لوگوں کو ڈرانے کے لیے ہے کیونکہ جب انھیں معلوم ہوگا کہ چوری پر ہاتھ کٹ جائے گا تو وہ اس کی جرأت ہی نہیں کریں گے۔[2]

اللہ تعالیٰ انتقام لینے میں زبردست ہے، اس کا ہر حکم، نہی اور پوری شریعت حکمت پر مبنی ہے۔ اس کی قدرت کا ہر قانون اس کے حکیم ہونے کی گواہی دے رہا ہے۔[3]

وہ غالب اور حکمت والا ہے اس لیے اس نے مرد و عورت میں سے ہر دو کا چوری کرنے پر ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔

33

اللہ تعالیٰ کے ساتھ والدین کا شرک

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِیَسْكُنَ

[1] تفسیر السعدي، ص: 254. [2] تفسیر السعدي، ص: 254. [3] المصباح المنیر، ص:377.

اِلَیْهَا ۚ فَلَمَّا تَغَشّٰىهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيْفًا فَمَرَّتْ بِهٖ ۚ فَلَمَّآ اَثْقَلَتْ دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَئِنْ اٰتَيْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ○ فَلَمَّآ اٰتٰىهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيْمَآ اٰتٰىهُمَا﴾

”وہ (اللہ) ہی تو ہے جس نے تمھیں ایک جان (آدم) سے پیدا کیا اور اس سے اس کا جوڑا بنایا تاکہ وہ اس سے سکون حاصل کرے، پھر جب اس (کسی مرد) نے بیوی سے صحبت کی تو اسے ہلکا سا حمل ہوگیا تو وہ اسے لیے پھرتی رہی، پھر جب وہ بوجھل ہوگئی تو ان دونوں نے اپنے رب، اللہ سے دعا کی کہ اگر تو نے ہمیں تندرست بچہ دیا تو ہم ضرور (تیرے) شکرگزاروں میں سے ہوں گے، چنانچہ جب اللہ نے انھیں تندرست بچہ دیا تو انھوں نے اس (بچے) میں، جو اللہ نے انھیں دیا تھا، اس کے شریک ٹھہرا لیے۔“[1]

شروع آیت میں حق تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ کا اظہار آدم وحوا علیہما السلام کی تخلیق کے تذکرے سے اس طرح بیان فرمایا: ﴿هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِیَسْكُنَ اِلَیْهَا﴾ اللہ تعالیٰ ہی کی شان ہے جس نے سارے بنی آدم کو ایک ذات آدم سے پیدا کیا اور انھی سے ان کی بیوی حضرت حوا کو پیدا کیا جس کا مقصد یہ تھا کہ آدم علیہ السلام کو ایک ہم جنس ہم دم کے ذریعے سے سکون حاصل ہو۔

اللہ تعالیٰ کی اس صنعتِ عجیبہ کا تقاضا یہ تھا کہ تمام اولاد آدم ہمیشہ اس کی شکرگزار ہوتی اور کسی مخلوق کو اس کی صفاتِ کاملہ میں شریک نہ ٹھہراتی، مگر غفلت شعار انسان نے معاملہ اس کے خلاف کیا جس کا بیان اسی آیت کے دوسرے جملہ اور بعد کی آیت

[1] الأعراف 7 : 190,189.

میں اس طرح فرمایا گیا:

﴿فَلَمَّا تَغَشّٰهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيْفًا فَمَرَّتْ بِهٖ ۚ فَلَمَّآ اَثْقَلَتْ دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَىِٕنْ اٰتَيْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ○ فَلَمَّآ اٰتٰىهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيْمَآ اٰتٰىهُمَا ۚ فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ○﴾

یعنی اولادِ آدم نے اپنی غفلت و ناشکری سے اس معاملہ میں عمل یہ کیا کہ جب نر و مادہ کے باہمی اختلاط سے حمل قرار پایا تو شروع شروع میں جب تک حمل کا کوئی بوجھ نہ تھا عورت آزادی کے ساتھ چلتی پھرتی رہی، پھر جب حق تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے تین اندھیروں کے اندر اس حمل کی تربیت کر کے اس کو بڑھایا اور اس کا بوجھ محسوس ہونے لگا تو اب ماں باپ فکر میں پڑ گئے اور یہ خطرے محسوس کرنے لگے کہ اس حمل سے کیسی اولاد پیدا ہوگی کیونکہ بعض اوقات انسان ہی کے پیٹ سے عجیب عجیب طرح کی مخلوق بھی پیدا ہو جاتی ہے اور بعض اوقات ناقص الخلقت بچہ پیدا ہو جاتا ہے، اندھا یا بہرا یا گونگا یا ہاتھ پیر سے معذور۔ ان خطرات کے سبب ماں باپ یہ دعائیں مانگنے لگے کہ یا اللہ ہمیں صحیح سالم بچہ عنایت فرما! اگر صحیح سالم بچہ پیدا ہوا تو ہم شکر گزار ہوں گے۔

لیکن جب اللہ تعالیٰ نے ان کی دعائیں سن لیں اور بچہ صحیح سالم عطا کر دیا تو اب شکر گزاری کے بجائے شرک میں مبتلا ہو گئے اور یہ اولاد ہی ان کے شرک میں مبتلا ہونے کا سبب بن گئی، جس کی مختلف صورتیں ہوتی ہیں، کبھی تو عقیدہ ہی فاسد ہوتا ہے، یوں سمجھ بیٹھتے ہیں کہ یہ بیٹا کسی ولی یا بزرگ نے دیا ہے، کبھی یہ ہوتا ہے کہ عملاً اس بچہ کو کسی زندہ یا مردہ بزرگ کی طرف منسوب کرتے ہیں اور ان کے نام کی نذر و نیاز

کرنے لگتے ہیں یا بچہ کو لے جا کر اُن کے سامنے اس کا ماتھا ٹیک دیتے ہیں اور کبھی بچے کا نام رکھنے میں مشرکانہ انداز اختیار کرتے ہیں، عبد اللات، عبد العزّیٰ یا عبد الشمس یا بندۂ علی، پیراں دتہ، پیربخش، حسین بخش وغیرہ ایسے نام رکھ دیتے ہیں جن سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہ بچہ اللہ تعالیٰ کے بجائے ان بتوں یا ان بزرگوں کا پیدا کیا ہوا بندہ ہے، یہ سب مشرکانہ عقائد و اعمال ہیں جو اللہ تعالیٰ کی نعمت کے مقابلہ میں شکر کے بجائے ناشکری کی مختلف صورتیں ہیں۔

دوسری آیت کے آخر میں ان لوگوں کی بے راہی اور کج روی کو واضح کرنے کے لیے فرمایا: ﴿فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ○﴾ یعنی پاک ہے اللہ تعالیٰ اس شرک سے جس کو ان لوگوں نے اختیار کیا۔

آیاتِ مذکورہ کی اس تفسیر سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اس آیت کے پہلے جملے میں آدم و حوا کا ذکر کر کے اولادِ آدم کو ان کے اتباع اور شکر گزاری کی تعلیم دی گئی ہے، اور آخری جملوں میں بعد کی آنے والی اولادِ آدم کی گمراہی اور کج روی کا بیان کیا گیا ہے کہ انھوں نے بجائے شکر گزاری کے شرک کو اختیار کر لیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ شرک اختیار کرنے والوں کے معاملے کا تعلق آدم و حوا علیہما السلام سے بالکل نہیں جس کے سبب حضرت آدم علیہ السلام کی عصمت پر کوئی شبہ ہو، بلکہ اس کا تعلق بعد کی آنے والی نسلوں کے عمل سے ہے، اور یہ تفسیر جو ہم نے اختیار کی ہے تفسیر الدر المنثور میں بروایت ابن المنذر و ابن ابی حاتم مفسر القرآن عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے۔ دیگر تابعین سے بھی اس طرح کی تفسیر منقول ہے، اور جن روایات میں اس شرک کی نسبت آدم و حوا علیہما السلام یا صرف حوا کی طرف کی گئی ہے، وہ سب باطل ہیں۔

حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ شرک آدم علیہ السلام سے نہیں بلکہ بعض اہل ملت سے سرزد ہوا تھا۔ انھی سے مروی ہے: اس سے مراد آدم علیہ السلام کی اولاد اور ان کے بعد وہ لوگ ہیں جنھوں نے شرک کیا تھا۔[1]

قتادہ رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا: اس سے مراد یہودی اور عیسائی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں اولاد کی نعمت سے نوازا تو انھوں نے انھیں یہودی اور عیسائی بنا دیا۔ یہ دونوں تفسیریں حسن بصری رحمہ اللہ سے صحیح سند سے مروی ہیں۔ اور یہی صحیح اور درست تفسیریں ہیں۔[2]

34

مومن عورتیں مستحقِ رحم ہیں

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ اُولٰۗىِٕكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ﴾

’’مومن مرد اور مومن عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے مددگار ہیں۔ وہ نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور زکاۃ دیتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن

[1] المصباح المنير، ص: 519,518. [2] المصباح المنير، ص: 519.

پر اللہ عنقریب رحم فرمائے گا۔‘‘[1]

اللہ تعالیٰ نے منافقین کی مذموم صفات بتانے کے بعد مومنوں کی قابل تعریف خوبیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ مومن مرد اور عورتیں باہم مددگار ہیں، یعنی محبت، موالات اور منسوب ہونے میں۔[2] پس وہ ایک دوسرے کی مدد و نصرت کرتے اور تائید و تقویت دیتے ہیں۔[3]

جیسا کہ نبی ﷺ کی صحیح حدیث ہے:

«اَلْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا»

’’مومن باہم عمارت کی طرح ہیں جس کا ایک حصہ دوسرے کو مضبوط کرتا ہے۔‘‘[4]

مومنوں کی صفات میں سے یہ بھی ہے کہ وہ ایک دوسرے کو معروف، یعنی نیکی کا حکم دیتے ہیں۔ اور «اَلْمَعْرُوف» ہر ایسے کام کے لیے ایک جامع نام ہے جس کی بھلائی مسلم ہو، مثلاً: عقائد حسنہ، اعمال صالحہ اور اخلاق فاضلہ وغیرہ۔[5] اسی طرح وہ منکرات سے ایک دوسرے کو روکتے ہیں۔ ہر وہ کام جو «اَلْمَعْرُوف» کے منافی ہو، منکر کہلاتا ہے، مثلاً: عقائد باطلہ، اعمال خبیثہ اور اخلاق رذیلہ وغیرہ۔ ان کی صفات میں یہ بھی ہے کہ وہ نماز کو اس کے وقت اور ارکان و شروط کے ساتھ ادا کر کے اس کی عبادت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے فرض زکاۃ اور نفلی صدقات ادا کر کے مخلوق کے ساتھ احسان اور نیکی کرتے ہیں۔ ان صفات کے ساتھ متصف افراد کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ ان پر رحم فرمائے گا، یعنی انھیں اپنی رحمت اور

[1] التوبة 9:71. [2] تفسير السعدي، ص: 393. [3] المصباح المنير، ص: 579. [4] صحيح البخاري، المظالم، باب نصر المظلوم، حديث: 2446. [5] تفسير السعدي، ص: 393.

فضل و احسانات سے نوازے گا۔ [1] ﴿سَيَرْحَمُهُمْ﴾ میں ''سین'' اس رحمت کے وعدے کے تحقق اور یقینی ہونے پر دلالت کرنے کے لیے ہے۔ [2] ﴿اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ○﴾ اپنی اطاعت کرنے والے مومن مردوں اور عورتوں کو عزت سے نوازے گا کیونکہ عزت اللہ تعالیٰ، اس کے رسول اور مومنوں کے لیے ہے۔ بالخصوص مومنوں کو ان صفات سے متصف کرنے میں اس کی حکمت پنہاں ہے۔

35

عزیز مصر کی بیوی کا بہکاوا

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَرَاوَدَتْهُ الَّتِيْ هُوَ فِيْ بَيْتِهَا عَنْ نَّفْسِهٖ وَغَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ ؕ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّيْۤ اَحْسَنَ مَثْوَايَ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ○ وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ ۚ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَاۤ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ﴾

''اور جس عورت کے گھر میں وہ (یوسف) تھا، اس عورت نے اس کے جی سے پھسلایا اور دروازے بند کر دیے اور بولی: لو آجاؤ، یوسف نے کہا: اللہ کی پناہ! وہ (عزیز مصر) تو میرا آقا ہے، اس نے مجھے اچھا ٹھکانا دیا، بے شک ظالم لوگ فلاح نہیں پاتے۔ اور بلاشبہ یقیناً اس (عورت) نے یوسف کا ارادہ کیا اور وہ (یوسف) بھی اس کا ارادہ کر لیتا اگر وہ اپنے رب کی نشانی نہ

[1] تفسير السعدي، ص: 393. [2] حسن الأسوة، ص: 81.

دیکھ لیتا۔'' [1]

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے عزیز مصر کی بیوی کے بارے میں بتایا ہے جس کے گھر میں یوسف علیہ السلام رہتے تھے۔ عزیز مصر نے اپنی بیوی کو یوسف علیہ السلام کے ساتھ اچھا سلوک کرنے اور ان کی عزت کرنے کی تاکید کر رکھی تھی مگر اس کے برعکس اس نے یوسف علیہ السلام کو بہکانے کی پوری کوشش کی، یعنی انھیں اپنی طرف راغب کرنے کی حیلہ سازی کی کیونکہ یوسف علیہ السلام کے بے مثل حسن و جمال کی وجہ سے وہ آپ پر فریفتہ ہو گئی تھی۔ اس نے خوب بن سنور کر انھیں اپنے پاس بلایا اور دروازے بند کر کے برائی کی دعوت دی جسے انھوں نے بڑی حقارت سے ٹھکرا دیا۔ [2]

عزیز مصر کی بیوی کا بہکاوا سیدنا یوسف علیہ السلام کے لیے اس سے بھی بڑی آزمائش تھی جو انھیں اپنے بھائیوں کی طرف سے پیش آئی تھی، جب انھوں نے انھیں کنویں میں ڈال دیا تھا۔ اور اس آزمائش پر ان کا صبر کرنا کنویں والی اذیت پر صبر سے زیادہ بڑے اجر کا موجب بنا کیونکہ اس قبیح فعل کے وقوع کے کثیر اسباب کے باوجود انھوں نے صبر کیا اور اللہ تعالیٰ کی محبت کو ان اسباب پر مقدم رکھا۔ اور جہاں تک بھائیوں کی اذیتوں پر صبر کا تعلق ہے تو وہ اضطراری تھا، جیسے امراض اور دیگر تکالیف بندے کے اختیار کے بغیر اسے لاحق ہوتی ہیں جن پر طوعاً یا کرہاً صبر کے سوا کوئی چارہ نہیں ہوتا۔ جذباتی آزمائش کا یہ واقعہ اس طرح پیش آیا کہ سیدنا یوسف علیہ السلام عزیز مصر کے گھر نہایت عزت و اکرام کے ساتھ رہ رہے تھے۔ وہ کامل حسن و جمال اور مردانہ وجاہت کے حامل تھے۔ یہی چیز ان کی آزمائش کا سبب بن گئی، وہ جس عورت کے گھر میں

[1] یوسف 12 : 24,23. [2] المصباح المنیر، ص: 658,657.

رہتے تھے، اس نے انھیں اپنی طرف مائل کرنا چاہا، یعنی جس کے وہ غلام اور زیر دست تھے، اس نے ان پر ڈورے ڈالنے شروع کر دیے۔ وہ ایک ہی گھر میں رہتے تھے جہاں بغیر کسی مؤاخذے اور خطرے کے نہایت آسانی سے مکروہ فعل کے مواقع میسر تھے۔ اس سے بھی بڑھ کر مصیبت یہ بنی کہ اس نے دروازے بند کر دیے، مکان خالی ہوگیا، دروازے بند کر دینے کے باعث وہاں کسی کے آنے کا خدشہ بھی نہیں رہا۔ اس عورت نے حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنے ساتھ بدکاری کی دعوت دی اور کہنے لگی: ادھر آؤ اور برائی کا ارتکاب کرو۔ اس کے باوجود کہ یوسف علیہ السلام غریب الوطن تھے، ایسا شخص اُس طرح اپنے غصے اور ناپسندیدگی کا اظہار نہیں کرسکتا جس طرح وہ اپنے وطن میں جان پہچان والوں کے درمیان رہ کر کرتا ہے (انھوں نے اس کی پیش کش کو حقارت سے ٹھکرا دیا)۔[1]

اس عورت نے انھیں دھمکی دی کہ اگر تم نے میری خواہش پوری نہ کی تو میں تمھیں جیل بھجوا دوں گی یا سخت سزا دوں گی مگر یوسف علیہ السلام اس فعل کا قوی داعیہ ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے رکے رہے اور اللہ تعالیٰ کی مراد کو اپنے نفس کی مراد پر مقدم رکھا جو ہمیشہ برائی کا حکم دیتا ہے، انھیں اپنے رب کی برہان نظر آئی، یعنی ان کے پاس جو علم وایمان تھا، وہ اس بات کا موجب تھا کہ وہ ہر اس چیز کو ترک کر دیں جسے اللہ تعالیٰ نے حرام ٹھہرایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہ برہان انھیں اس گھناؤنے گناہ سے دور رکھنے کا باعث بنی۔

اللہ تعالیٰ پر پختہ ایمان، اس کا تقویٰ، علم نافع، عمل صالح اور اللہ تعالیٰ کے لیے

[1] تفسير السعدي، ص: 457,456.

اخلاص ایسے موانع ہیں جو بندے کو کبیرہ گناہوں کے ارتکاب سے باز رکھتے ہیں، بشرطیکہ اس کے ساتھ ساتھ دعا اور رب العزت سے استعانت کا وسیلہ بھی اختیار کیا جائے۔ یہ سب کچھ اللہ کے نبی یوسف علیہ السلام نے کیا جب انھوں نے کہا: ﴿مَعَاذَ اللّٰهِ﴾ یعنی میں اللہ کی پناہ میں آتا ہوں کہ اس قبیح فعل کا ارتکاب کروں کیونکہ اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہوتا ہے اور بندہ اس سے دور ہوجاتا ہے۔ اور اس لیے بھی کہ یہ میرے آقا کی بیوی ہے جس نے مجھے نہایت باعزت ٹھکانا دیا ہے، لہٰذا میرے لیے مناسب نہیں کہ اس کے احسان کے بدلے میں اس کی گھر والی کے ساتھ ایسی قبیح حرکت کروں، یہ تو نہایت گھناؤنا ظلم ہے اور ظالم کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا۔

نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم سے یوسف علیہ السلام سے بدی اور بے حیائی کو دور رکھا کیونکہ وہ ان بندوں میں سے تھے جو اپنی عبادات میں اخلاص سے کام لیتے تھے اور تمام ناپسندیدہ امور سے دور اور نفور تھے۔ بنا بریں وہ اللہ تعالیٰ کے بہترین بندوں میں سے تھے۔

36

عورتوں کی چالیں

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاسْتَبَقَا الْبَابَ وَقَدَّتْ قَمِيْصَهٗ مِنْ دُبُرٍ وَّاَلْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَا الْبَابِ ۭ قَالَتْ مَا جَزَاۗءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْۗءًا اِلَّآ اَنْ يُّسْجَنَ اَوْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○ قَالَ

هِيَ رَاوَدَتْنِيْ عَنْ نَّفْسِيْ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ وَاِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ فَلَمَّا رَاٰ قَمِيْصَهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ اِنَّهٗ مِنْ كَيْدِكُنَّ ۭ اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ ۝ يُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ۫ وَاسْتَغْفِرِيْ لِذَنْۢبِكِ ۚ اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِـِٕيْنَ ۝﴾

”اور وہ دونوں دروازے کی طرف دوڑے اور اس (عورت) نے اس (یوسف) کی قمیص پیچھے سے پھاڑ دی اور دونوں نے اس کے خاوند کو دروازے کے پاس پایا تو وہ (جھٹ سے) بولی: اس کی کیا سزا ہے جو تیری بیوی سے برائی کا ارادہ کرے، سوائے اس کے کہ اسے قید کیا جائے یا دردناک عذاب (دیا جائے)۔ یوسف نے کہا: اسی نے مجھے میرے جی سے پھسلایا۔ اور اس (عورت) کے خاندان میں سے ایک شاہد نے گواہی دی کہ اگر اس (یوسف) کی قمیص آگے سے پھٹی ہے تو یہ (عورت) سچی ہے اور وہ (یوسف) جھوٹوں میں سے ہے۔ اور اگر اس (یوسف) کی قمیص پیچھے سے پھٹی ہے تو یہ (عورت) جھوٹی ہے اور وہ (یوسف) سچا ہے۔ جب اس (عزیز) نے یوسف کی قمیص پیچھے سے پھٹی ہوئی دیکھی تو وہ کہنے لگا: بے شک یہ تم عورتوں کے مکروفریب میں سے ہے، بے شک تمھارا مکر بہت بڑا (خطرناک) ہے۔ اے یوسف! اس (بات) سے درگزر کر اور (بیوی سے کہا:) تو اپنے گناہ کی بخشش مانگ، بے شک تو ہی خطا کار ہے۔“[1]

[1] یوسف 12: 25-29.

مذکورہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرمایا ہے کہ عزیز کی بیوی نے بہت بہکایا اور ورغلایا مگر یوسف علیہ السلام نے اس کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔ وہ اپنی عزت بچانے اور اس آزمائش سے نکلنے کے لیے دروازے کی طرف بھاگے، عزیز کی بیوی انھیں پکڑنے کے لیے ان کے پیچھے دوڑی۔ اس دوران میں جب کہ عزیز کی بیوی تعاقب میں تھی، اس نے حضرت یوسف علیہ السلام کو روکنے کے لیے پیچھے سے ان کی قمیص پکڑی تو وہ بری طرح پھٹ گئی حتی کہ کہا جاتا ہے کہ پوری قمیص پھٹ کر الگ ہوگئی۔ وہ اسی حال میں بھاگتے ہوئے دروازے تک پہنچے تو سامنے اس عورت کا خاوند کھڑا تھا۔ اس نے جب یہ صورت حال دیکھی تو اس پر بہت گراں گزری۔ عورت نے اپنا دامن بچانے اور خود کو بے قصور ثابت کرنے کے لیے مکروفریب کیا۔ اس نے یوسف علیہ السلام پر الزام دھرتے ہوئے اپنے خاوند سے کہا:[1] اس نے مجھے اپنی طرف مائل کرنے اور بہکانے کی کوشش کی ہے، لہٰذا اسے قید کر دینا چاہیے یا سخت سزا دینی چاہیے۔ غور کیجیے کہ اس عورت نے کیا کہا: ﴿مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْٓءًا﴾ یعنی اس شخص کی کیا سزا ہے جو تیری بیوی کے ساتھ برائی کا ارادہ کرے۔ یہ نہیں کہا کہ جس نے تیرے اہل کے ساتھ برائی کی کیونکہ وہ اپنے آپ کو اور یوسف علیہ السلام کو اس فعل سے بری ظاہر کرنا چاہتی تھی۔[2]

یوسف علیہ السلام اپنے آپ کو اس الزام سے بری کرنے کے لیے جو اس عورت نے لگایا تھا، کہا: ﴿هِيَ رَاوَدَتْنِيْ عَنْ نَّفْسِيْ﴾ یعنی اسی نے مجھے بے حیائی کے ارتکاب کی دعوت دی ہے اور میں انکار کرتے ہوئے اندر سے بھاگ آیا ہوں۔[3] اللہ تعالیٰ نے حق و صداقت کی کچھ علامات مقرر فرمائی ہیں جو حق کی طرف راہنمائی کرتی ہیں جنھیں

[1] المصباح المنير، ص: 659. [2] تفسير السعدي، ص: 457. [3] حسن الأسوة، ص: 86.

بسا اوقات لوگ جانتے ہیں اور بسا اوقات انھیں علم نہیں ہوتا۔ چنانچہ اس قضیہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص فضل سے سچائی کی پہچان کرائی تاکہ اس کے برگزیدہ نبی یوسف علیہ السلام کی براءت کا اظہار ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اس عورت کے گھر والوں میں سے ایک شاہد (گواہ) کھڑا کر دیا اور اس نے قرینے کی گواہی دی کہ جس کے پاس یہ قرینہ موجود ہوگا، وہی سچا ہے۔ اس نے کہا: ﴿إِنْ كَانَ قَمِيصُهُ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكَاذِبِينَ﴾ ''اگر اس کا کرتہ آگے سے پھٹا ہوا ہے تو یہ عورت سچی ہے اور وہ جھوٹا ہے۔'' کیونکہ یہ صورت حال دلالت کرتی ہے کہ یوسف علیہ السلام ہی آگے بڑھ کر اس عورت پر ہاتھ ڈالنے والے، اسے پھسلانے والے ہیں کیونکہ جب انھوں نے اس عورت پر ہاتھ ڈالا تو اس نے انکار کرتے ہوئے ان کے سینے میں دھکا مارا اور اپنا دفاع کیا جس کے نتیجے میں ان کی قمیص پھٹ گئی ہے، لہٰذا عورت کی بات سچی ہے۔ ﴿وَإِنْ كَانَ قَمِيصُهُ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصَّادِقِينَ﴾ ''اور اگر اس کی قمیص پیچھے سے پھٹی ہے تو یہ عورت جھوٹی ہے اور وہ سچا ہے۔'' کیونکہ یہ صورت حال حضرت یوسف علیہ السلام کے اپنے آپ کو چھڑا کر بھاگنے پر دلالت کرتی ہے اور یہ بھی واضح کرتی ہے کہ یہ عورت ہی ہے جس نے یوسف علیہ السلام کو پکڑنا چاہا اور اس طرح اس کی قمیص پیچھے سے پھٹ گئی۔[1]

جب اس کے خاوند کو یوسف علیہ السلام کی صداقت اور براءت اور اپنی بیوی کے جھوٹ کا یقین ہوگیا تو اس نے کہا: یہ مکروفریب اور بہت بڑا بہتان ہے جس کے ذریعے سے تو نے اپنی براءت اور بے قصور یوسف علیہ السلام کو اس گناہ میں ملوث کرنے کوشش کی

[1] تفسير السعدي، ص: 457.

ہے۔ اے عورتو! یہ تمھاری چال ہوتی ہے۔ اس نے عورتوں کی اپنی خواہش پوری کر لینے کے لیے چالبازی کو مطلق طور پر بہت بڑا حربہ قرار دیا اور یوسف علیہ السلام سے درخواست کی کہ اس کا ذکر کسی سے نہ کرنا بلکہ اب اس بات پر مٹی ڈال دو۔ پھر اس نے اپنی بیوی سے کہا کہ تو نے یوسف علیہ السلام پر بہتان عظیم لگانے کا جو جرم کیا ہے، اس پر توبہ کر۔[1]

یوسف علیہ السلام اور اس عورت کا یہ واقعہ شہر میں آگ کی طرح پھیل گیا اور لوگوں کی گفتگو کا محور بن گیا حتیٰ کہ امیروں، وزیروں کی بیویوں تک بھی یہ خبر پہنچ گئی۔ انھوں نے آپس میں چہ میگوئیاں شروع کر دیں، عزیز مصر کی بیوی کو بہت برا بھلا کہا اور اس کی حرکت کو نازیبا قرار دیتے ہوئے کہا: یہ کام بہت برا ہے، یہ عورت نہایت معزز شخص کی بیوی ہے، اس کے باوجود یہ اپنے غلام پر ڈورے ڈالتی رہی ہے جو اس کے زیر دست تھا اور اس کی خدمت پر مامور تھا۔ پھر اس کے ساتھ ساتھ اس غلام کی محبت بھی اس کے دل میں گھر کر گئی ہے۔[2]

جب عزیز کی بیوی کو عورتوں کے طعنوں اور چہ میگوئیوں کی اطلاع ملی تو اس نے انھیں ایک دعوت پر مدعو کیا اور ان کے لیے ایک محفل سجائی جہاں مختلف اقسام کے فرش بچھا کر انواع واقسام کے کھانے چن دیے گئے۔ کھانوں میں گوشت اور پھل وغیرہ بھی تھے جنھیں کاٹنے کے لیے چھری کی ضرورت پڑتی ہے، لہٰذا اس نے ہر ایک کو ایک ایک چھری بھی تھما دی۔ ادھر اس نے یوسف علیہ السلام کو نہایت عمدہ لباس زیب تن کرایا وہ پہلے ہی حسن و جمال کے پیکر تھے، خوبصورت لباس نے انھیں چار چاند لگا دیے۔ اس

[1] المصباح المنير، ص: 659. [2] تفسير السعدي، ص: 458.

نے یوسف علیہ السلام کو برائے خدمت ان خواتین کے سامنے آنے کو کہا، جب وہ سامنے آئے تو یہ خواتین ان کے حسن و جمال کی تاب نہ لاسکیں، جلوۂ حسن سے متحیر و مدہوش ہوکر انھوں نے انھی چھریوں سے اپنے ہاتھ کاٹ لیے جو پھل کاٹنے کے لیے ان کے ہاتھوں میں تھمائی گئی تھیں۔ جب انھیں درد کا احساس ہوا تو پکار اٹھیں: ﴿حَاشَ لِلّٰهِ﴾ ''اللہ پاک ہے۔'' یہ شخص انسان نہیں کوئی مکرم فرشتہ ہے کیونکہ انھوں نے کبھی ایسا مسحور کن اور دل ربا منظر دیکھا ہی نہیں تھا۔ عزیز کی بیوی نے ان سے کہا: تم تو مجھے ملامت کرتی تھیں، اب اپنا حشر دیکھو۔ تمھارا کیا بنا؟ پہلی ہی نظر میں اپنے ہاتھ کاٹ بیٹھیں! انھوں نے کہا کہ تیرا کوئی قصور نہیں، ہم ہی غلط تھیں کیونکہ ہم نے جو کچھ دیکھا ہے، وہ واقعی ایک زبردست آزمائش ہے۔[1]

جب ان عورتوں کے سامنے یوسف علیہ السلام کا ظاہری جمال عیاں ہوگیا اور وہ انھیں بہت ہی اچھے لگے تو عزیز مصر کی بیوی کے دل باختہ ہونے کی وجہ بھی ان پر ظاہر ہوگئی۔ پھر اس نے چاہا کہ وہ ان عورتوں پر یوسف علیہ السلام کے باطنی حسن، یعنی عفت کامل کی حقیقت بھی نمایاں کردے، چنانچہ اس نے کسی چیز کی پروا کیے بغیر، کیونکہ آج عورتوں کی طرف سے ملامت ختم ہوچکی تھی، یوسف علیہ السلام سے اپنی شدید محبت کا اعلان کیا اور کہا:

﴿وَلَقَدْ رَاوَدتُّهُ عَن نَّفْسِهِ فَاسْتَعْصَمَ﴾

''اور میں نے پھسلایا تھا اسے اس کے جی سے، پس اس نے اپنے آپ کو بچالیا۔''[2]

[1] المصباح المنير، ص: 660. [2] يوسف 12 :32.

یعنی یوسف علیہ السلام نے اپنے آپ کو بچا لیا مگر وہ اب بھی یوسف علیہ السلام کو پھسلانے کے موقف پر قائم تھی اور ان کے لیے اس کی بے قراری، بے تابی، محبت اور شوق وصال میں اضافہ ہی ہوتا جارہا تھا، چنانچہ اس نے عورتوں کی موجودگی ہی میں یوسف علیہ السلام کی نسبت کہا:

﴿وَلَئِن لَّمْ يَفْعَلْ مَا آمُرُهُ لَيُسْجَنَنَّ وَلَيَكُونًا مِّنَ الصَّاغِرِينَ﴾

''اگر اس نے وہ کام نہ کیا جس کا حکم میں اسے دے رہی ہوں تو یہ یقیناً قید کردیا جائے گا اور بے عزت ہوگا۔''[1]

﴿مِمَّا يَدْعُونَنِي إِلَيْهِ﴾[2] سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ عورتیں بھی یوسف علیہ السلام کو بے حیائی کی بات ماننے کا مشورہ دے رہی تھیں اور انھیں پھسلانے کی کوشش کررہی تھیں۔[3] پس یوسف علیہ السلام نے اس فوری لذت کے مقابلے میں، جو اُخروی عذاب کی موجب ہے، قید خانے اور دنیاوی عذاب کو ترجیح دی۔[4]

ان کے مکروفریب سے اپنے رب کی پناہ طلب کی کہ وہ ان سے اس کا پیچھا چھڑا دے اور ایک لمحے کے لیے بھی بے یار و مددگار نہ چھوڑے۔ انھوں نے دعا کی کہ رب العزت اپنے خاص فضل و کرم سے ان کی حفاظت فرمائے، پس اللہ نے یوسف علیہ السلام کی دعا قبول کرلی انھیں محفوظ رکھا اور اس عورت کے دام فریب سے بچالیا۔ انھوں نے دنیاوی عیش اور ملکۂ مصر کا مطالبہ پوری قوت اور حقارت سے ٹھکراتے ہوئے قید خانے میں جانا پسند کیا۔ یہ کمال کی اعلیٰ ترین صورت ہے جو دلالت کرتی ہے کہ حضرت

[1] يوسف 32:12. [2] يوسف33:12. [3] تفسير السعدي، ص 458. [4] تفسير السعدي، ص: 458.

یوسف علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے بہت زیادہ ڈرنے والے اور اس کے ثواب کی امید پر نہایت حریص تھے۔

37

بیٹی کی ولادت پر اہلِ عرب کا منفی ردِعمل

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُم بِالْأُنثَىٰ ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ ○ يَتَوَارَىٰ مِنَ الْقَوْمِ مِن سُوءِ مَا بُشِّرَ بِهِ ۚ أَيُمْسِكُهُ عَلَىٰ هُونٍ أَمْ يَدُسُّهُ فِي التُّرَابِ ۗ أَلَا سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ○﴾

''اور جب ان میں سے کسی کو بیٹی کی بشارت دی جائے تو اس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے اور وہ غم و غصے سے بھرا ہوتا ہے۔ وہ اس عار کے باعث لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے جس کی اسے بشارت دی گئی ہے، (سوچتا ہے) کیا (اپنی) توہین کے باوجود اسے باقی رکھے یا اسے مٹی میں دبا دے؟ آگاہ رہو! جو وہ فیصلہ کرتے ہیں، وہ بہت برا ہے۔''[1]

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں مشرکین مکہ کی بیٹیوں سے نفرت کا ذکر کیا ہے۔[2] وہ بیٹیوں کو اللہ تعالیٰ سے منسوب کرتے تھے اور اپنے لیے بیٹے پسند کرتے تھے۔ جب ان میں سے کسی کو بیٹی پیدا ہونے کی خوشخبری دی جاتی تو غم اور پریشانی کے

[1] النحل 16: 59,58. [2] المصباح المنير، ص: 733.

مارے اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا حتیٰ کہ وہ اس خبر کی وجہ سے لوگوں میں اپنی سبکی محسوس کرتا اور عار کی وجہ سے منہ چھپاتا پھرتا۔ پھر وہ اپنی اس بیٹی کے بارے میں فکر میں مبتلا ہو جاتا اور فکرِ فاسد کی وجہ سے تذبذب میں پڑ جاتا کہ وہ اس کے ساتھ کیا معاملہ کرے؟ اہانت اور ذلت برداشت کر کے اس بیٹی کو زندہ رہنے دے یا پھر اسے زندہ ہی دفن کر دے۔[1] زندہ درگور کرنے کا یہی عمل تھا جس پر اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی مذمت کی ہے۔

جس معاملے کو وہ اپنے لیے اس قدر ناپسند کرتے ہیں اور اس سے دور بھاگتے ہیں، اسے تو وہ اللہ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ انھوں نے اللہ پاک کی شان کے خلاف اوصاف سے اسے متصف قرار دیا کہ اس کی طرف اولاد کو منسوب کیا۔ یہ انھوں نے نہایت بری بات کہی، نہایت بری تقسیم کی اور اس کی طرف بیٹیوں کو منسوب کر کے نہایت برا کام کیا۔[2]

اور ان کا یہ اعتقاد (کہ اللہ کی بیٹیاں ہیں) نہایت ہی برا کام ہے جس کی نسبت اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُم بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحْمَٰنِ مَثَلًا ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ ○﴾

''اور جب ان میں سے کسی کو اس (بیٹی پیدا ہونے) کی بشارت دی جاتی ہے جس کی اس نے رحمٰن کے لیے مثال بیان کی تو اس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا

[1] تفسير السعدي، ص: 513. [2] المصباح المنير، ص: 733، وتفسير السعدي، ص: 514,513.

ہے، جبکہ وہ غم سے بھرا ہوتا ہے۔''[1]

38

والدین کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید اور بدسلوکی کی ممانعت

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۭ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۝ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ۝﴾

''اور تمھارے رب نے فیصلہ کر دیا کہ تم اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور والدین سے اچھا سلوک کرو۔ اگر ان دونوں میں سے ایک یا دونوں تیرے ہاں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو تُو ان سے ''اف'' تک نہ کہہ اور انھیں مت جھڑک اور ان سے نرم (لہجے میں ادب و احترام سے) بات کر۔ اور ان کے لیے رحم دلی سے عاجزی کے ساتھ اپنا بازو (پہلو) جھکائے رکھ اور کہہ: میرے رب! ان دونوں پر رحم فرما جیسے انھوں نے بچپن میں میری پرورش کی۔''[2]

① الزخرف 43:17. ② بنیٓ إسرآء یل 17: 24,23.

اللہ تعالیٰ نے شرک سے منع کرنے کے بعد توحید کا حکم دیا، چنانچہ فرمایا: ﴿وَقَضٰى رَبُّكَ﴾ یعنی فیصلہ کر دیا اور شرعی حکم دیا ہے ﴿اَلَّا تَعْبُدُوْٓا﴾ ''کہ تم عبادت نہ کرو۔'' یعنی آسمان کے رہنے والوں، زندوں یا مردوں میں سے کسی کی عبادت نہ کرو مگر صرف اسی کی کیونکہ وہ واحد، یکتا، فرد اور بے نیاز ہے جو ہر صفت کمال کا مالک ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے حق کے بعد والدین کے حقوق قائم کرنے کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا﴾ ''اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو۔'' یعنی قول و فعل، ہر لحاظ سے والدین کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ کیونکہ والدین ہی بندے کے وجود میں آنے کا سبب ہیں، وہ اولاد کے لیے محبت رکھتے ہیں، اولاد کے ساتھ اچھا برتاؤ کرتے ہیں اور اولاد کو قریب رکھتے ہیں۔ یہ امور ان سے نیک سلوک کرنے کے حق کی تاکید اور ان کے ساتھ بھلائی کے التزام و اہتمام کا تقاضا کرتے ہیں۔[1]

جب وہ اس عمر کو پہنچ جائیں جب ان کے قویٰ کمزور پڑ جاتے ہیں اور وہ اپنی جوانی سے زیادہ نرمی اور حسن سلوک کے محتاج ہوتے ہیں، پس اللہ تعالیٰ نے اولاد کو حکم دے دیا کہ وہ والدین سے کوئی بری بات نہ کہیں حتیٰ کہ اُف (ہوں) کہنا بھی ممنوع قرار دیا، یہ اذیت کا ادنیٰ ترین درجہ ہے، اس کے ذریعے سے اذیت کی دیگر نوعیتوں پر تنبیہ کی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ڈانٹ ڈپٹ، ترش روئی اور اذیت کی ادنیٰ سی بات بھی نہ کہو بلکہ انتہائی نرمی اور نوازش کے پیرائے میں ادب کے ساتھ گفتگو کرو۔ ان کی اس قدر عزت و تکریم کرو کہ انھیں اطمینان حاصل ہو۔[2]

① المصباح المنير، ص: 764، وتفسير السعدي، ص: 530. ② المصباح المنير،

اسی طرح ان کے ساتھ بھلائی کرتے ہوئے اللہ سے اجر کی امید کی خاطر تواضع کا حکم دیا گیا ہے۔ ان کے بڑھاپے اور وفات کے بعد ان کے لیے رحمت کی دعا کا حکم ہے۔ گویا اولاد کے ذمے ان کی تربیت کے احسان کے بدلے میں اللہ تعالیٰ سے مغفرت و رحمت طلب کرنا ضروری ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ تربیت جتنی زیادہ ہوگی والدین کا حق بھی زیادہ ہوگا اور وہ یہ ہے کہ ان کی زندگی اور وفات کے بعد ان کے ساتھ بدرجۂ غایت حسن سلوک کیا جائے۔

39

شرمگاہ کی حفاظت

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۝ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۝ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۝﴾

’’اور وہ جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں، سوائے اپنی بیویوں یا ان (کنیزوں) کے جن کے مالک ہوئے ان کے دائیں ہاتھ تو بلاشبہ (ان کی بابت) ان پر کوئی ملامت نہیں۔ پھر جو شخص ان کے علاوہ (رستہ) تلاش کرے تو ایسے لوگ ہی حد سے گزرنے والے ہیں۔‘‘[1]

◄◄ ص: 764، و تفسير السعدي، ص: 530. [1] المؤمنون 23: 5-7.

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے سچے مومن بندوں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ اپنی شرمگاہوں کی زنا سے حفاظت کرتے ہیں اور جن برائیوں، مثلاً: زنا اور لواطت وغیرہ سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے، ان کا ارتکاب نہیں کرتے اور اپنی بیویوں یا لونڈیوں کے علاوہ جنھیں اللہ نے حلال کیا ہے اور کسی کے قریب نہیں جاتے۔ اور جس سے اللہ نے مباشرت حلال کی ہے، اس سے مباشرت کرنے میں کوئی ملامت اور حرج نہیں ہے۔[1] اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۝﴾ یعنی اپنی بیویوں اور لونڈیوں کے پاس جانے میں ان پر کوئی ملامت نہیں اور شرمگاہ کی کامل حفاظت یہ ہے کہ ان تمام امور سے اجتناب کیا جائے جو زنا کی دعوت دیتے ہیں، مثلاً: غیر محرم کو دیکھنا اور چھونا وغیرہ۔[2]

لیکن جو لوگ اپنی بیویوں اور لونڈیوں پر اکتفا نہ کریں بلکہ ان کے علاوہ جنسی اہداف تلاش کریں تو یہی لوگ حد سے تجاوز کرنے والے ہیں جنھوں نے اللہ کی حلال کردہ چیزوں سے تجاوز کرکے محرمات کے ارتکاب کی جسارت کی ہے۔ یہ آیت کریمہ متعہ کے حرام ہونے پر بھی دلالت کرتی ہے کیونکہ نکاح متعہ کے ذریعے سے بننے والی بیوی حقیقی بیوی ہے نہ اسے نکاح میں باقی رکھنا مقصود ہوتا ہے، نہ وہ لونڈیوں کے زمرے میں آتی ہے، مزید برآں یہ آیت کریمہ نکاحِ حلالہ کے حرام ہونے پر بھی دال ہے۔[3]

[1] المصباح المنير، ص: 909. [2] تفسير السعدي، ص: 640. [3] تفسير السعدي، ص: 640.

40

غیر شادی شدہ زانیہ کے لیے سوکوڑوں کی سزا

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ۪ وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ۝﴾

''زانیہ عورت اور زانی مرد، ان دونوں میں سے ہر ایک کو تم سو کوڑے مارو اور اگر تم اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو اللہ کے دین (پر عمل کرنے) کے معاملے میں تمھیں ان دونوں (زانی اور زانیہ) پر قطعاً ترس نہیں آنا چاہیے اور مومنوں کا ایک گروہ ان دونوں کی سزا کے وقت موجود ہونا چاہیے۔''[1]

آیت مذکور میں یہ حکم غیر شادی شدہ زانی اور زانیہ کے لیے ہے کہ ان میں سے ہر ایک کو سو کوڑے لگائے جائیں، زنا کار اگر شادی شدہ ہو تو صحیح سنت مشہورہ سے یہ رہنمائی ملتی ہے کہ اس کی حد رجم (سنگسار کرنا) ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس سے منع کیا ہے کہ زنا کار مرد و زن پر حد جاری کرتے وقت ہم میں ایسا جذبۂ ترحم پیدا ہو جو ہمیں ان پر حد قائم کرنے سے روک دے، خواہ یہ رحم طبعی ہو یا قرابت و دوستی کی

[1] النور 24 :2.

وجہ سے، ایمان ایسے رحم کی نفی کا موجب ہے جو اللہ تعالیٰ کے حکم کے نفوذ و قیام سے مانع ہو۔[1]

زنا کار اگر غیر شادی شدہ ہو تو مرد کو سو کوڑوں کی سزا کے علاوہ ایک سال کے لیے شہر بدر بھی کیا جائے گا جیسا کہ صحیحین میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، ایک اعرابی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا: اے اللہ کے رسول! میرا یہ بیٹا فلاں شخص کے ہاں ملازم تھا، اس نے اس کی بیوی سے بدکاری کی۔ میں نے اس کے بدلے سو بکریاں اور ایک لونڈی بطور جرمانہ ادا کر دی۔ پھر میں نے اہل علم سے پوچھا، انھوں نے مجھے بتایا کہ تیرے بیٹے کو سو کوڑے لگیں گے اور ایک سال کی جلاوطنی ہو گی۔ اور اس کی بیوی کو رجم کیا جائے گا تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! لَأَقْضِيَنَّ بَيْنَكُمَا بِكِتَابِ اللهِ، اَلْوَلِيدَةُ وَالْغَنَمُ رَدٌّ، وَعَلَى ابْنِكَ جَلْدُ مِائَةٍ وَتَغْرِيبُ عَامٍ، أُغْدُ يَا أُنَيْسُ! إِلَى امْرَأَةِ هٰذَا، فَإِنِ اعْتَرَفَتْ فَارْجُمْهَا»

''مجھے اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میں بہر صورت تمھارے درمیان اللہ تعالیٰ کی کتاب کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ لونڈی اور بکریاں تجھے واپس مل جائیں گی، تیرے بیٹے کو سو کوڑے لگیں گے اور ایک سال کے لیے اسے شہر بدر کر دیا جائے گا۔ (پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو اسلم قبیلے کے ایک شخص کو حکم دیا:) اے اُنیس! تم اس شخص کی بیوی کے پاس جاؤ، وہ اعتراف گناہ کر لے تو اسے رجم کر دو۔'' وہ اس کے ہاں گئے تو اس نے

[1] تفسير السعدي، ص: 656.

اعتراف کرلیا، پس انھوں نے اسے رجم کر دیا۔''[1]

اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ زنا کاروں پر حد جاری کرتے وقت اہل ایمان کی کثیر تعداد موجود ہو تاکہ حد کی تشہیر ہو۔ مجرموں کی رسوائی ہو اور وہ اس گھناؤنے جرم سے باز رہیں۔ اور لوگ بالفعل نفاذ حد کا مشاہدہ کریں کیونکہ شریعت کے احکام کے بالفعل مشاہدے سے شریعت کا علم زیادہ پختہ اور اس کا فہم راسخ ہوجاتا ہے اور مشاہدہ کرنے والا منزل صواب سے زیادہ قریب ہوتا ہے، لہٰذا وہ اس میں اضافہ کرتا ہے نہ کمی۔[2]

41

زانیہ اور مشرکہ سے نکاح

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اَلزَّانِيْ لَا يَنْكِحُ اِلَّا زَانِيَةً اَوْ مُشْرِكَةً ۡ وَّالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَآ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ ۚ وَحُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ○ ﴾

''زانی مرد نکاح نہیں کرتا مگر زانیہ یا مشرکہ عورت ہی سے اور زانیہ عورت سے نکاح نہیں کرتا مگر زانی یا مشرک مرد ہی اور مومنوں پر یہ (زنا کار سے نکاح) حرام ٹھہرایا گیا ہے۔''[3]

[1] صحيح البخاري، الصلح، باب إذا اصطلحوا على صلح جور......، حديث: 2695، وصحيح مسلم، الحدود، باب من اعترف على نفسه بالزنى، حديث: 1697، 1698.
[2] تفسير السعدي، ص: 565. [3] النور 24 :3.

مذکورہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ زانی مرد صرف زانیہ یا مشرکہ عورت ہی سے نکاح کرتا ہے، یعنی وہ اپنی بدکاری کی مراد صرف نافرمان زانیہ یا مشرکہ ہی سے پوری کرسکتا ہے کیونکہ وہ اس کی حرمت کا لحاظ نہیں رکھتی۔[1] اس آیت میں زنا کی رذالت اور قباحت کی طرف اشارہ بھی ہے کہ یہ فعل بد فاعل اور اس سے میل جول رکھنے والے لوگوں کی عزت پر ایسا دھبہ لگا دیتا ہے جو دیگر گناہوں سے نہیں لگتا۔

اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرمایا ہے کہ زانی مرد صرف زنا کار عورت ہی سے نکاح کرے کیونکہ ان دونوں کی صورت حال ایک جیسی ہے یا مشرک عورت اس کے مناسب حال ہے جو یوم آخرت اور جزا و سزا پر ایمان رکھتی ہے نہ اللہ تعالیٰ کے حکم کا التزام کرتی ہے۔[2]

اللہ تعالیٰ نے مومن مردوں پر بدکار عورتوں سے اسی طرح عفیف اور پاک دامن عورتوں کا بدکار مردوں سے نکاح حرام قرار دیا ہے۔[3]

اس آیت کریمہ کے معنی یہ ہیں کہ وہ مرد یا عورت جو زنا میں ملوث ہے اور اس نے بدکاری سے توبہ بھی نہیں کی، اللہ تعالیٰ کی طرف سے تحریم کے باوجود اس سے نکاح کرنے والا، دو میں سے ایک امر سے خالی نہیں۔ یا تو وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کا التزام کرنے والا نہیں ہے اور یہ صرف مشرک شخص ہی کا وتیرہ ہوسکتا ہے۔ یا وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کا التزام کرتا ہے لیکن زنا کار کے زنا کا علم رکھنے کے باوجود اس کے ساتھ عفت مآب عورت کے نکاح کا اقدام کرتا

[1] المصباح المنير، ص: 927. [2] تفسير السعدي، ص: 656. [3] المصباح المنير، ص: 927.

ہے تو ایسا نکاح زنا ہے اور نکاح کرنے والا زنا کا مرتکب ہو رہا ہے۔ اگر وہ سچا مومن ہوتا تو کبھی یہ کام نہ کرتا۔ یہ آیت زانیہ عورت کے ساتھ نکاح کی تحریم پر بھی صراحت کے ساتھ دلالت کرتی ہے جب تک وہ توبہ نہ کرے۔ اسی طرح زانی مرد سے پاک دامن مومنہ عورت کے نکاح کی تحریم کی دلیل بھی ہے یہاں تک کہ وہ توبہ کرلے کیونکہ میاں بیوی کا ایک دوسرے کے ساتھ رہنا باہم دگر نہایت قربت کا معاملہ ہے۔ اور اس میں (کہ ایک پاک دامن مومن ہو اور دوسرا زانی) بہت بڑا شر ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس نکاح کو حرام ٹھہرایا ہے، اس طرح انسان بے غیرت ہو جاتا ہے۔ خاوند کے ساتھ ایسی اولاد کا الحاق ہوتا ہے جو درحقیقت اس کی نہیں اور زانی کیونکہ دوسری عورت سے غلط مراسم کی بنا پر عفت سے محروم رہتا ہے، اس لیے اس کے بعض اقدامات ہی اس سے نکاح کی تحریم کے لیے کافی ہیں۔[1]

42

پاک دامن عورتوں پر تہمت کی سزا

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝

① تفسیر السعدي، ص: 656.

اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۚ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝﴾

”اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں، پھر وہ چار گواہ نہیں لاتے تو تم انھیں اَسّی کوڑے مارو اور ان کی شہادت (گواہی) کبھی قبول نہ کرو اور یہی لوگ نافرمان ہیں۔ مگر اس کے بعد جن لوگوں نے توبہ کی اور اصلاح کرلی تو بلاشبہ اللہ غفور رحیم ہے۔“[1]

اس آیت میں پاک دامن عورت پر تہمت لگانے والے کی سزا کا حکم ہے اور «مُحْصِنَةٌ» سے آزاد، بالغہ پاک دامن خاتون مراد ہے۔ اور اگر تہمت مرد پر لگائی جائے، تب بھی تہمت لگانے والے پر حد نافذ ہوگی۔ ہاں، اگر تہمت لگانے والا دلیل سے اپنی بات ثابت کردیتا ہے تو پھر اس پر حد نہیں لگے گی۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً﴾ ”پھر وہ چار گواہ پیش نہ کرسکیں تو انھیں اسی (80) کوڑے لگاؤ۔“ پس تہمت لگانے والا اگر اپنی بات کی سچائی پر کوئی دلیل پیش نہ کرسکے تو اس پر تین احکام لاگو ہوں گے۔

① اسے اسی (80) کوڑے لگیں گے۔

② اس کی شہادت کبھی قبول نہیں ہوگی۔

③ وہ فاسق شمار ہوگا اور ساقط الاعتبار ٹھہرے گا۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اور لوگوں کے ہاں وہ عادل نہیں رہے گا۔

اللہ تعالیٰ نے تہمت لگانے والے کی توبہ کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے: ﴿اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۚ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝﴾ یہ استثنا آخری

① النور 24: 5,4.

دوصورتوں کے لیے ہے۔ جہاں تک پہلی صورت، یعنی کوڑے لگانے کا تعلق ہے تو وہ حکم توبہ اور گناہ پر اصرار، ہر دوصورتوں میں بدستور قائم رہے گا اور اسے توبہ کی صورت میں بھی بلا اختلاف کوڑے لگیں گے۔ اور جب توبہ کرلے گا تو اس کی شہادت قبول ہوجائے گی اور اس کا فسق بھی دور ہوجائے گا۔ سعید بن مسیّب رحمہ اللہ اور دیگر کئی سلف صالحین سے یہ موقف نصاً مروی ہے۔[1]

یہ آیت کریمہ دلالت کرتی ہے کہ زنا کا الزام لگا کر کسی کی عزت پر حملہ کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔ یہ الزام پاک دامن آزاد عورتوں پر لگایا جائے یا مردوں پر بہرحال یکساں طور پر مذموم ہے۔

تہمت لگانے والا اگر اپنی بات کے ثبوت کے لیے دلیل پیش نہ کرسکے تو اسے سزا دینے کے لیے معتدل انداز میں اسی کوڑے لگائے جائیں گے۔ کوڑے اس قدر شدت سے نہ مارے جائیں کہ اس کی جان ہی چلی جائے کیونکہ کوڑے لگانے کا مقصد تادیب ہے، جان لینا نہیں ہے۔

بہتان لگانے والے پر حد لگانا اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ جس پر بہتان لگایا گیا ہے وہ مومن اور پاک دامن ہو۔ اور اگر کوئی شخص کسی ایسے فرد پر بہتان لگاتا ہے جو پاک دامن نہیں ہے تو اس پر حد نہیں لگے گی، تاہم اسے سزا ضرور ملے گی۔

بہتان لگانے والے کی گواہی قبول نہیں ہوگی، چاہے اس پر حد قذف بھی نافذ ہوجائے، ہاں! اگر وہ توبہ کرلے تو اللہ اس کی توبہ قبول فرمالے گا اور اس کی شہادت بھی قبول ہوگی، نیز اس کا فسق بھی زائل ہوجائے گا۔[2]

[1] المصباح المنير، ص: 927. [2] تفسير السعدي، ص: 657.

43

میاں بیوی میں لعان کا معاملہ

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ○ وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ○ وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ○ۙ وَالْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَآ اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ○﴾

”اور جو لوگ اپنی بیویوں پر تہمت لگائیں اور ان کے پاس اپنے سوا کوئی گواہ نہ ہوں تو ان میں سے ایک کی شہادت اس طرح ہوگی کہ چار بار اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ بے شک وہ سچوں میں سے ہے۔ اور پانچویں بار یہ کہے: اگر وہ جھوٹوں میں سے ہو تو اس پر اللہ کی لعنت ہو۔ اور عورت کی سزا تب ٹلتی ہے کہ وہ چار بار اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ بلاشبہ وہ (اس کا خاوند) جھوٹوں میں سے ہے۔ اور پانچویں بار یہ کہے کہ اگر وہ (اس کا خاوند) سچوں میں سے ہو تو اس (عورت) پر اللہ کا غضب ہو۔“[1]

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اگر شوہر اپنی بیوی پر بہتان

[1] النور 24: 6-9.

لگائے اور دلیل، یعنی چار گواہ پیش نہ کر سکے تو حد قذف سے بچنے کے لیے بطور آسانی لعان کر لے۔ اس کا طریقۂ کار یہ ہے کہ وہ خلیفہ کے پاس جائے اور دعویٰ دائر کرے کہ اس کی بیوی بدکار ہے۔ حاکم چار گواہوں کے بدلے میں اس سے اللہ کی چار قسمیں لے گا کہ وہ اس پر زنا کا الزام لگانے میں سچا ہے۔ ﴿وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ﴾ ''اور پانچویں بار یہ کہے: اگر وہ جھوٹوں میں سے ہو تو اس پر اللہ کی لعنت ہو۔'' جب وہ یہ کہہ لے گا تو صرف اس لعان ہی سے وہ جدا ہو جائے گی اور اس پر ہمیشہ حرام رہے گی، نیز وہ اس کا مہر بھی (اگر نہیں دیا تو) ادا کرے گا۔[1]

بیوی پر زنا کا الزام لگانے کی صورت میں شوہر کی چار قسمیں اسے قذف کی حد سے بچا سکتی ہیں کیونکہ عموماً شوہر بیوی پر زنا کا بہتان نہیں لگاتا کیونکہ اس سے اس کی بیوی کے ساتھ ساتھ خود اس کی اپنی شخصیت بھی عیب دار ہوتی ہے، سوائے اس صورت میں کہ وہ سچا ہو۔ شوہر کو اظہار واقعہ کے طور پر اس بات کا حق اس لیے بھی پہنچتا ہے کہ اسے یہ خوف لاحق ہوجاتا ہے، مبادا ایسی اولاد اس سے منسوب ہو جائے جو اس کی نہیں ہے، نیز اس میں بعض دیگر حکمتیں بھی ہیں جو دوسرے احکام میں نہیں ہیں۔[2]

پھر کیا اس پر صرف شوہر کے لعان کرنے سے حد قائم ہو جائے گی یا اسے قید کیا جائے گا؟ اس بارے میں علماء کے دو قول ہیں۔ دلیل جس قول کی تائید کرتی ہے، وہ یہ ہے کہ اس پر حد قائم ہوگی جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ﴾ ''اور اس عورت کا چار

[1] المصباح المنير، ص: 927. [2] تفسير السعدي، ص: 562.

مرتبہ اللہ کی قسمیں کھا کر یہ کہنا کہ وہ (خاوند) جھوٹا ہے، اس سے سزا ٹال دے گا۔'' اس پر زنا کی حد لگے گی اور صرف اسی صورت میں ٹل سکے گی کہ وہ بھی لعان کرے، یعنی چار قسمیں کھا کر کہے کہ میرا شوہر جو الزام لگا رہا ہے وہ غلط اور جھوٹا ہے۔ ﴿وَالْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَاۤ اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ﴾ ''اور پانچویں بار یہ کہے کہ اگر اس کا خاوند سچوں میں سے ہو تو مجھ (عورت) پر اللہ کا غضب ہو۔'' یہاں غضب کو عورت کے ساتھ اس لیے مخصوص کیا ہے کہ مرد عموماً سچا ہو اور عاجز آ جائے، تب ہی زنا کا الزام لگانے اور اپنے اہل و عیال کی رسوائی جھیلنے کی جرأت کرتا ہے۔ اور عورت اس کی سچائی سے آگاہ ہوتی ہے، اس لیے پانچویں قسم اس کے لیے اس طرح لاگو کی گئی کہ وہ کہے اگر خاوند سچا ہے تو مجھ پر اللہ کا غضب ہو۔ اور مغضوب علیہ وہی ہوتا ہے جو حق بات کو جاننے کے بعد بھی اس سے انکار کرے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر اپنے لطف و کرم کا ذکر فرمایا کہ اس نے ان پر آسانی فرمائی اور مشکلات سے نکلنے کی راہیں بتائیں۔ فرمایا: ﴿وَلَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ﴾ ''اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی۔'' تو تمھارے معاملات درہم برہم ہوجاتے اور تم مشکلات کا شکار ہوجاتے لیکن ﴿وَاَنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ﴾ ''اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ بہت توبہ قبول کرنے والا ہے۔'' یعنی اپنے بندوں پر مہربان ہے اگرچہ اس نے پختہ قسمیں لینے کے بعد ہی سزا کو ٹالا ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ کا کسی بات کا حکم دینا اور کسی بات سے منع کرنا حکمت پر مبنی ہوتا ہے۔[1]

[1] المصباح المنير، ص: 928,927.

آیت کی شان نزول درج ذیل ہے:

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں: جب یہ آیت نازل ہوئی ﴿وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ﴾ تو انصار کے رئیس سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! کیا یہ آیت اسی طرح نازل ہوئی ہے؟ اس پر رسالت مآب ﷺ نے فرمایا: ”اے انصار کی جماعت! سنتے ہو تمھارا سردار کیا کہتا ہے؟“ انھوں نے کہا: اللہ کے رسول! انھیں ملامت نہ کیجیے، درحقیقت وہ بہت غیرت مند انسان ہیں۔ اللہ کی قسم! انھوں نے ہمیشہ کنواری عورتوں سے شادی کی ہے۔ اور غیرت کا عالم یہ ہے کہ جس عورت کو وہ طلاق دے دیں، ہم میں کسی کو اس سے نکاح کرنے کی جرأت نہیں ہوتی۔ سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کے رسول! مجھے یقین ہے کہ یہ حق ہے اور اللہ کی طرف سے ہے لیکن مجھے اس بات پر تعجب ہے کہ اگر میں کسی کمینی عورت کو اس حال میں پاؤں کہ اس کے ساتھ کوئی آدمی ہم بستر ہو تو میرے لیے یہ کیسے ممکن ہے کہ فوری اشتعال اور ردعمل کے بغیر چار گواہوں کی تلاش میں نکل جاؤں۔ اللہ کی قسم! میرے گواہ لانے تک وہ اپنی حاجت پوری کر لے گا۔

راوی کہتے ہیں: تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ ہلال بن امیہ آ گئے، وہ غزوۂ تبوک میں شرکت سے پیچھے رہ جانے والے ان تین افراد میں سے ایک تھے جن کی توبہ قبول ہوئی تھی۔ وہ رات کے وقت اپنی زمین سے واپس آئے تو اپنی بیوی کے ساتھ کسی آدمی کو ہم بستر دیکھا۔ یہ ماجرا انھوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور کانوں سے سنا۔ وہ جوش میں نہ آئے۔ صبح ہوئی تو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچے اور کہا: اے اللہ

کے رسول! میں رات کو گھر آیا تو اپنی اہلیہ کے ساتھ کسی شخص کو ہم بستر دیکھا، میں نے یہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا اور کانوں سے سنا۔ رسول اکرم ﷺ پر یہ بات بہت گراں گزری۔ انصار ہلال بن امیہ کے پاس جمع ہو گئے اور انھوں نے کہا: سعد بن عبادہ کی بات کی وجہ سے ہم آزمائش میں پڑ گئے۔ اب رسول اکرم ﷺ ہلال کو کوڑے لگائیں گے اور ان کی گواہی بھی غیر معتبر ہو جائے گی۔ ہلال رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! مجھے یقین ہے کہ اللہ میرے لیے کوئی راستہ نکالے گا۔ ہلال نے رسالت مآب ﷺ سے عرض کیا: اللہ کے رسول! مجھے لگتا ہے میرا سوال آپ پر گراں گزرا ہے لیکن اللہ کی قسم! میں سچا ہوں، پس اللہ کی قسم! رسول اکرم ﷺ اسے سزا کے لیے کوڑے لگانے کا حکم دینے ہی والے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر وحی نازل فرمائی اور جب آپ پر وحی نازل ہوتی تھی تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کے چہرۂ مبارک کے آثار سے پہچان لیتے تھے، یعنی وحی سے فراغت تک آپ ﷺ سے کلام نہیں کرتے تھے، سو یہ آیات نازل ہوئیں: ﴿وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍ بِاللّٰهِ﴾ رسول اکرم ﷺ پر وحی کی کیفیت ختم ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”اے ہلال! خوش ہو جاؤ، اللہ نے تمھارے لیے آسانی فرما دی ہے اور مشکل سے نکلنے کا راستہ بنا دیا ہے۔ ہلال رضی اللہ عنہ نے کہا: مجھے اپنے اللہ عزوجل سے یہی امید تھی۔ پھر رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ”اس (عورت) کی طرف پیغام بھیجو (کہ وہ آئے)۔“

انھوں نے اس کی طرف پیغام بھیجا تو وہ حاضر ہوئی۔ رسول اکرم ﷺ ان دونوں پر لعان کی آیت پڑھی، انھیں نصیحت کی اور بتایا کہ آخرت کا عذاب دنیا کے عذاب

کے مقابلے میں نہایت سخت ہے۔ ہلال رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کے رسول! اللہ گواہ ہے کہ میں الزام لگانے میں سچا ہوں۔ اس (عورت) نے کہا: اس نے جھوٹ بولا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''آپس میں لعان کرو۔'' پس ہلال سے کہا گیا: قسم کھاؤ۔ انھوں نے اللہ کے نام کی چار قسمیں کھا کر کہا کہ وہ سچ کہہ رہے ہیں۔ جب پانچویں بار قسم کھانے لگے تو ان سے کہا گیا: ہلال اللہ سے ڈرو! دنیا کی سزا آخرت کے عذاب کے مقابلے میں بہت معمولی ہے اور یہ قسم (اگر تم جھوٹے ہوئے تو) عذاب واجب کردے گی۔ انھوں نے کہا: اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ مجھے اس پر عذاب نہیں دے گا جیسا کہ اس نے مجھے کوڑے نہیں لگنے دیے۔ انھوں نے پانچویں قسم کھاتے ہوئے کہا: اگر میں جھوٹوں میں سے ہوں تو مجھ پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔

پھر عورت سے کہا گیا کہ اللہ کے نام کی چار قسمیں کھاؤ کہ وہ جھوٹا ہے۔ جب وہ پانچویں بار قسم اٹھانے لگی تو اسے کہا گیا: اللہ سے ڈرو دنیا کی سزا آخرت کے عذاب کے مقابلے میں معمولی ہے۔ (اور اگر تو جھوٹی ہوئی تو) یہ قسم تجھ پر اللہ کا عذاب واجب کردے گی۔ وہ لمحے بھر کے لیے رکی، اعتراف کا ارادہ کیا اور پھر کہا: اللہ کی قسم! میں اپنی قوم کو رسوا نہیں کروں گی، پھر پانچویں بار یہ کہتے ہوئے قسم اٹھائی کہ اگر وہ سچا ہے تو مجھ پر اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہو۔ تب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں الگ کردیا اور فیصلہ دیا کہ بچے کی نسبت اس کے باپ، یعنی ہلال کی طرف نہیں ہوگی نہ اس عورت پر تہمت لگائی جائے اور نہ اس بچے کو کوئی طعنہ دیا جائے اور جس نے اس خاتون کو یا بچے کو بہتان کا نشانہ بنایا، اس پر حد نافذ ہوگی۔

اسی طرح آپ نے یہ بھی فیصلہ فرمایا کہ وہ عورت بغیر طلاق کے علیحدگی کی وجہ سے نان و نفقہ اور رہائش کی مستحق نہیں ہے اور اسے فوت شدہ خاوند والی عورت کی طرح بھی رہائش اور نفقہ نہیں ملے گا، نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنْ جَاءَتْ بِهِ أُصَيْهِبَ أُرَيْصِحَ أُثَيْبِجَ حَمْشَ السَّاقَيْنِ فَهُوَ لِهِلَالٍ، وَإِنْ جَاءَتْ بِهِ أَوْرَقَ جَعْدًا جُمَالِيًّا خَدَلَّجَ السَّاقَيْنِ سَابِغَ الْأَلْيَتَيْنِ فَهُوَ لِلَّذِي رُمِيَتْ بِهِ»، فَجَاءَتْ بِهِ أَوْرَقَ جَعْدًا جُمَالِيًّا خَدَلَّجَ السَّاقَيْنِ سَابِغَ الْأَلْيَتَيْنِ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لَوْلَا الْأَيْمَانُ لَكَانَ لِي وَلَهَا شَأْنٌ»

''اگر اس کا بچہ قدرے سرخ بالوں والا، ہلکے سرینوں والا، ابھری کمر والا اور باریک پنڈلیوں والا ہوا تو یہ ہلال کا ہوگا اور اگر وہ گندم گوں، گھنگھریالے بالوں والا، کھلے اور بڑے اعضاء والا، بھاری پنڈلیوں اور بھاری سرینوں والا ہوا تو یہ اس کا ہوگا جس کی نسبت اس پر الزام لگایا گیا ہے۔'' چنانچہ اس نے بچہ جنا تو وہ گندمی رنگ، گھنگھریالے بالوں والا، کھلے اور بڑے اعضاء والا اور بھاری پنڈلیوں اور سرینوں والا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اگر قسمیں نہ اٹھائی گئی ہوتیں تو میرا اس کے ساتھ ایک (عجیب) معاملہ ہوتا۔''

عکرمہ رحمہ اللہ نے بتایا: یہ بچہ بعد میں مصر کا امیر بنا تھا مگر باپ کی طرف نسبت کی بجائے ماں کی نسبت سے پکارا جاتا تھا۔[1]

[1] مسند أحمد: 238/1، و سنن أبي داود، الطلاق، باب في اللعان، حديث: 2256.

44

کن لوگوں سے پردہ نہیں ہے؟

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ ۖ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ ۖ وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ﴾

’’اور آپ مومن عورتوں سے کہہ دیجیے کہ وہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت نہ کھولیں مگر جو (ازخود) اس میں سے ظاہر ہو اور اپنی اوڑھنیاں اپنے گریبانوں پر ڈالے رکھیں اور اپنا بناؤ سنگار ظاہر نہ کریں مگر اپنے خاوندوں پر یا اپنے باپ دادا پر یا اپنے خاوندوں کے باپ دادا پر یا اپنے بیٹوں پر یا اپنے شوہروں کے بیٹوں (سوتیلے بیٹوں) پر یا اپنے بھائیوں پر یا اپنے بھتیجوں پر یا اپنے بھانجوں پر یا اپنی (مسلمان) عورتوں پر یا اپنے دائیں ہاتھ کی ملکیت (کنیزوں) پر یا عورتوں سے رغبت نہ رکھنے والے

نوکر چاکر مردوں پر یا ان لڑکوں پر جو عورتوں کی چھپی باتوں سے واقف نہ ہوں اور وہ (عورتیں) اپنے پاؤں (زور زور سے) زمین پر مارتی ہوئی نہ چلا کریں کہ اپنی جو زینت انھوں نے چھپا رکھی ہے، وہ (لوگوں کو) معلوم ہو جائے۔‘‘[1]

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو خاص طور پر مخاطب کیا ہے ورنہ قرآن کے عمومی طریقۂ خطاب میں عورتوں کو مردوں کے ضمن ہی میں مخاطب کیا گیا ہے۔[2]

پس اللہ تعالیٰ نے مومن عورتوں کو نگاہ پست رکھنے، شرمگاہ کی حفاظت کرنے اور زینت چھپانے کا حکم دیا ہے۔

آیت کی شانِ نزول

مقاتل بن حیان کے مطابق اس آیت کی شانِ نزول یہ ہے۔ وہ کہتے ہیں: ہم تک یہ بات پہنچی ہے، واللّٰہ أعلم، کہ جابر بن عبداللہ انصاری نے بیان کیا کہ اسماء بنت مرشدہ بنو حارثہ قبیلے میں اپنے مکان میں رہتی تھی۔ اس کے پاس خواتین آتی تھیں جو ازار بند کے بغیر ایک ہی چادر میں ہوتی تھیں جس سے ان کے پاؤں کے پازیب ظاہر ہو جاتے اور ان کے سینے اور مینڈھیاں بھی نمایاں ہو جاتیں۔ اسماء نے کہا: یہ کیا بے ہودگی ہے؟ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ﴾ یعنی اللہ نے ان پر خاوندوں کے علاوہ کسی غیر مرد کو دیکھنا حرام ٹھہرایا ہے۔[3] پس اللہ تعالیٰ نے مومن عورتوں کو زینت کی چیزوں، مثلاً: پازیب اور پاؤں وغیرہ میں مہندی کی نمائش سے روکا ہے۔ اسی طرح

[1] النور 24:31. [2] فتح القدير: 4/32. [3] الدرالمنثور: 6/179.

ہاتھ میں کنگن، کانوں میں بالیاں اور گلے میں ہار کا مظاہرہ بھی عورت کے لیے جائز نہیں ہے اور اجنبی شخص، یعنی غیر محرم کو اس کی طرف دیکھنا منع ہے۔[1]

عورتوں کے لیے یہی حکم ہے، سوائے اس کے کہ جسم کا جو حصہ عادتاً ظاہر ہو اور کمال ستر کے لیے انھیں اپنے گریبانوں پر دوپٹہ ڈالے رکھنے کا حکم دیا ہے۔ اس حکم سے ثابت ہوتا ہے کہ پورے جسم کی زینت پوشیدہ رکھنی ضروری ہے اور اسے ظاہر کرنا حرام ہے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: اللہ تعالیٰ پہلے پہل ہجرت کرنے والی عورتوں پر رحم فرمائے، جب اللہ تعالیٰ نے یہ فرمان نازل فرمایا: ﴿وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ﴾ تو انھوں نے اپنی موٹی چادروں کو پھاڑ کر اس کی اوڑھنیاں بنا لیں۔[2]

پھر زینت ظاہر کرنے کی ممانعت کا اعادہ کیا تاکہ اس سے عورت کے ان محرموں کو مستثنیٰ کیا جا سکے جن کے سامنے اظہار زینت جائز ہے۔ ایسے رشتہ دار یہ ہیں: شوہر، باپ دادا اوپر تک، حقیقی بیٹے اور خاوند کے بیٹے نیچے تک، حقیقی، علاتی اور اخیافی بھائی یا ان کے بیٹے یا بھانجے۔[3] اسی طرح ان کے لیے مسلمان عورتوں کے سامنے بھی زینت کا اظہار جائز ہے لیکن ذمی عورتوں کے سامنے جائز نہیں تاکہ وہ اپنے خاوندوں کے پاس جا کر بیان نہ کریں اگرچہ تمام عورتوں کے سامنے زینت کے اظہار میں حرج ہے لیکن ذمیوں کی عورتوں سے زیادہ احتیاط کرنے کی تاکید اس لیے کی گئی ہے کہ وہ بلا کراہت ان کے اوصاف اپنے خاوندوں سے بیان کریں گی۔ جہاں تک

1 فتح القدير: 32/4. 2 صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ﴾، حديث: 4758. 3 تفسير السعدي، ص: 663,662.

مسلمان عورتوں کا تعلق ہے تو وہ چونکہ اس کی حرمت سے واقف ہوتی ہیں، اس لیے وہ کسی عورت کی صفات اپنے شوہروں کے سامنے بیان کرنے سے گریز کرتی ہیں۔[1]

غلام کے لیے، بشرطیکہ وہ کامل معنوں میں اس عورت کا غلام ہو، اپنی سیدہ کو دیکھنا جائز ہے۔ اور یہ صورت اسی وقت تک ہے جب تک وہ اس کی مالکہ ہے۔ اگر غلام کی ملکیت پوری یا جزوی طور پر ختم ہو جائے تو اس غلام کے لیے اس عورت کو دیکھنا جائز نہ ہوگا۔ اسی طرح وہ مرد جو تمھارے زیردست ہیں اور تمھارے ساتھ ان کا سابقہ پڑتا ہے اور وہ کسی قسم کی شہوانی اغراض نہ رکھتے ہوں، مثلاً: ناقص العقل اَبلہ قسم کے لوگ جو شہوانی شعور نہیں رکھتے اور وہ لوگ جن میں عورتوں کے پاس جانے کی خواہش ہی معدوم ہو، ان کی شرمگاہ میں شہوت ہو نہ ان کے دل میں طلب ہو تو ایسے شخص کے لیے اظہارِ زینت جائز ہے۔

اسی طرح وہ بچے جو اس قسم کی تمیز نہیں رکھتے، ان کے سامنے بھی زینت ظاہر کرنا جائز ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کی علت یہ بیان فرمائی ہے کہ وہ عورتوں کی پوشیدہ باتوں سے واقف ہیں نہ اس کا علم رکھتے ہیں اور نہ ہی ان میں شہوت پائی جاتی ہے۔ یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ ایسے بچوں سے پردہ کرنا فرض ہے جو سن تمیز کو پہنچ چکے ہوں کیونکہ وہ عورتوں کی پوشیدہ باتوں سے واقف ہو جاتے ہیں۔[2]

پھر انھیں زمین پر اس طرح پاؤں مارنے سے منع کیا گیا جس سے ان کے زیورات کی جھنکار سنائی دے اور جس کے سبب ان کی زینت ظاہر ہو۔ اس آیت

1 المصباح المنير، ص: 939. 2 تفسير السعدي، ص: 663.

کریمہ اور اس طرح کی دیگر آیات سے ''سد ذرائع'' کے فقہی قاعدے کا استنباط کیا جاتا ہے، یعنی کوئی امر اگرچہ فی نفسہ مباح ہے مگر اس پر عمل کرنے سے کسی حرام امر کے ارتکاب کا خدشہ یا امکان پیدا ہوتا ہے تو سد ذرائع کے طور پر یہ عمل بھی ممنوع ہوجائے گا۔ زمین پر پاؤں مارنا بجائے خود مباح ہے لیکن چونکہ یہ اظہار زینت کا ایک ذریعہ ہے، اس لیے پاؤں مار کر چلنے سے روک دیا گیا۔[1]

45

غیر شادی شدہ مردوں اور عورتوں کے نکاح کرنے کا حکم

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَأَنكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ ۚ إِن يَكُونُوا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ﴾

''اور تم اپنے بے نکاحوں کے نکاح کردو اور (ان کے بھی) جو تمھارے غلام اور لونڈیاں نیک ہوں اگر وہ فقیر ہوں گے تو اللہ اپنے فضل سے انھیں غنی کردے گا۔''[2]

اس آیت میں غیر شادی شدہ مردوں اور عورتوں کی شادی کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ﴿أَيَامٰى﴾ أَيِّمٌ کی جمع ہے۔ ہر وہ عورت جس کا شوہر نہ ہو اور ہر وہ مرد جس کی بیوی نہ ہو اسے أَيِّمٌ کہتے ہیں، چاہے شادی کے بعد ان کی علیحدگی ہوجائے یا انھوں

[1] تفسير السعدي، ص: 663. [2] النور 24 :32.

نے شادی ہی نہ کی ہو۔[1]

اللہ تعالیٰ نے سرپرستوں کو حکم دیا ہے کہ وہ ان مجرد عورتوں اور مردوں کا نکاح کریں جو ان کی سرپرستی میں ہیں۔ أَيامىٰ سے مراد وہ مرد اور عورتیں ہیں جن کی بیویاں اور شوہر نہ ہوں، یعنی رنڈوے اور کنوارے مرد و زن۔ قریبی رشتہ داروں اور یتیموں کے سرپرستوں پر واجب ہے کہ وہ ایسے مرد و زن کا نکاح کریں جو نکاح میں ان کے محتاج ہیں، یعنی جن کا نفقہ ان پر واجب ہے۔ جب وہ ان لوگوں کا نکاح کرنے پر مامور ہیں جو ان کے زیردست ہیں تو اپنے نکاح کا حکم تو بدرجۂ اولیٰ مؤکد ہے۔[2]

اور اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ﴾ میں ''اَلصَّلاحُ'' سے مراد ایمان اور نکاح کے حقوق ادا کرنے کی اہلیت ہے۔ اور آزاد مرد و زن میں ''اَلصَّلاحُ'' کا ذکر نہیں کیا کیونکہ ان میں غلاموں کے برعکس عموماً ''صَلاح'' پائی جاتی ہے۔ اس میں اس بات کی بھی دلیل ہے کہ غلام اپنا نکاح از خود نہیں کرسکتا، اس کا نکاح اور سرپرستی اس کا مالک ہی کرے گا۔[3]

اسی طرح ﴿الصَّالِحِينَ﴾ میں یہ احتمال ہے کہ اس سے مراد دین کی اصلاح اور درستی ہو تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ صالح غلام اور لونڈی جو فاجر اور بدکار نہیں ہیں، ان کے نکاح کا ان کے مالک کو حکم دیا گیا ہے۔ یہ ان کی صالحیت کی جزا اور اس کی ترغیب ہے، نیز زنا کار غلام اور لونڈی کا نکاح کرنے سے روکا گیا ہے، یہ اس حکم کی تائید ہے جس کا ذکر سورت کے آغاز میں کیا گیا ہے کہ زانی اور زانیہ جب تک توبہ نہ کریں، ان کا نکاح حرام ہے۔ اور آزاد مرد و زن کی بجائے غلاموں کے نکاح کے لیے صالحیت

[1] المصباح المنير، ص: 940. [2] تفسير السعدي، ص: 663. [3] حسن الأسوة، ص: 119.

کی تخصیص اس لیے ہے کہ عادتاً غلاموں میں فسق و فجور زیادہ ہوتا ہے۔[1]

اور اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿إِنْ يَكُونُوا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ﴾ ''اگر وہ تنگ دست ہوں گے تو اللہ تعالیٰ انھیں اپنے فضل سے غنی کر دے گا۔'' یعنی نکاح کرنے والے تنگ دست ہوں گے تو اللہ تعالیٰ انھیں بے نیاز کر دے گا، لہٰذا تمھیں یہ وہم نکاح کرنے سے نہ روکے کہ جب تم نکاح کرلو گے تو عائلی بوجھ کی وجہ سے محتاج ہو جاؤ گے۔[2]

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ نے (مذکورہ آیات میں) شادی کی رغبت دلائی ہے اور آزاد و غلام ہر ایک کو نکاح کا حکم دیا ہے اور اس پر انھیں غنی، یعنی بے نیاز کر دینے کا وعدہ کیا ہے۔''[3] سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے: ''اللہ تعالیٰ کی طرف سے نکاح کے حکم میں اس کی اطاعت کرو تو اس نے تمھیں غنی کرنے کا جو وعدہ کیا ہے، وہ پورا فرما دے گا۔''[4]

46

لونڈیوں کو بدکاری پر مجبور کرنے کی ممانعت

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا تُكْرِهُوا فَتَيَاتِكُمْ عَلَى الْبِغَاءِ إِنْ أَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِتَبْتَغُوا عَرَضَ

[1] تفسير السعدي، ص: 663. [2] تفسير السعدي، ص: 663. [3] المصباح المنير، ص: 941. [4] الدر المنثور: 188/6.

الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۚ وَمَنْ يُكْرِهْهُنَّ فَإِنَّ اللَّهَ مِنْ بَعْدِ إِكْرَاهِهِنَّ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾

''اور تمھاری لونڈیاں اگر پاکدامن رہنا چاہیں تو تم دنیاوی زندگی کا سامان تلاش کرنے کی خاطر انھیں بدکاری پر مجبور نہ کرو اور جو کوئی انھیں مجبور کرے تو بے شک ان کے مجبور کیے جانے کے بعد اللہ (ان کے لیے) غفور رحیم ہے۔''[1]

اس آیت کریمہ میں لونڈیوں کو زنا پر مجبور کرنے کی ممانعت ہے، یعنی لونڈیاں پاکدامنی کی راہ چلنا اور نکاح کے ذریعے سے اپنے آپ کو بدکاری سے محفوظ رکھنا چاہیں تو ان کے اس ارادے کی مخالفت یا مزاحمت نہیں ہونی چاہیے۔ یہ حکم اس لیے دیا گیا کہ زمانۂ جاہلیت میں لوگ لونڈیوں سے بدکاری کراتے اور زنا سے حاصل ہونے والی کمائی کھاتے تھے۔ اسلام نے مومنوں کو ایسا کرنے سے منع کر دیا۔ اکثر مفسرین کا یہ قول ہے کہ یہ آیت عبداللہ بن ابی ابن سلول کے بارے میں نازل ہوئی۔ اس کی کئی لونڈیاں تھیں، وہ انھیں بدکاری پر مجبور کرتا تھا تاکہ ان کی کمائی کھائے اور ان کے ہاں جو اولاد ہو، ان سے بھی خدمت لے۔[2]

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو لونڈیوں کو زنا پر مجبور کرنے اور ان کے زنا کی اجرت کھانے سے منع کر دیا۔ اس لیے کہ دنیا کا یہ مال تو ختم ہی ہو جانا ہے، پس تمھارے لیے ہرگز مناسب نہیں کہ تمھاری لونڈیاں تو تم سے بہتر اور پاکباز ہوں اور تم صرف دنیا کے فانی مال و متاع کی خاطر یہ گھناؤنا دھندا کرو۔ دنیا کا مال نہایت قلیل ہے، وہ ملتا ہے اور ختم ہو جاتا ہے۔ تمھاری کمائی تمھاری پاکیزگی، نظافت اور مروت ہے، آخرت کے ثواب و عقاب سے قطع نظر، یہ اس تھوڑی سی متاع دنیا کمانے سے کہیں

[1] النور 24:33. [2] المصباح المنير، ص: 941.

بہتر ہے جو تمھیں انتہائی گراوٹ اور گندگی کے ذریعے سے حاصل ہوتی ہے۔[1]

صحیح حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے حجام کی کمائی، زانیہ کی اجرت اور کاہن کی شیرینی سے منع کیا ہے۔[2]

پھر اللہ تعالیٰ نے بدکاری پر مجبور کرنے والوں کو توبہ کا حکم دیا ہے۔ اس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ مجبور کرنے کی سزا مجبور کرنے والوں کے لیے ہے نہ کہ مجبور کی گئی لونڈیوں پر۔ اگر تم ایسا کرو گے، یعنی انھیں مجبور کرو گے تو بے شک اللہ تعالیٰ انھیں معاف کرنے والا ہے اور ان کا گناہ انھیں مجبور کرنے والوں پر ہوگا۔[3]

جب مجبور کرنے والا اپنے گناہ سے توبہ کرلے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہ بخش دے گا اور اس پر اسی طرح رحم کرے گا جس طرح تائب نے اپنے نفس کو عذاب سے بچا کر اپنے آپ پر رحم کیا اور جس طرح اس نے اپنی لونڈی کو ایسے فعلِ بد پر جو اس کے لیے ضرر رساں تھا، مجبور نہ کرکے اس پر رحم کیا۔[4]

47

تین اوقات میں آتے وقت اجازت طلب کرنا

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

[1] تفسیر السعدي، ص: 664. [2] صحیح مسلم، المساقاة، باب تحریم ثمن الکلب وحلوان الکاهن......، حدیث: 1567. [3] تفسیر السعدي، ص: 664، و المصباح المنیر، ص: 942. [4] تفسیر السعدي، ص: 664

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ ؕ مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَحِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِيْرَةِ وَمِنْۢ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ ۫ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ ؕ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌۢ بَعْدَهُنَّ ؕ طَوّٰفُوْنَ عَلَيْكُمْ ﴾

”اے ایمان والو! تمھارے غلاموں، لونڈیوں اور (ان لڑکوں اور لڑکیوں کو) جو تم میں سے بلوغت کو نہ پہنچے ہوں، (انھیں) چاہیے کہ تم سے تین بار اجازت مانگیں (پھر گھر میں داخل ہوں)، نماز فجر سے پہلے اور جب تم دوپہر کو کپڑے اتارتے ہو اور نماز عشاء کے بعد، یہ تین وقت تمھارے لیے خلوت اور پردے کے ہیں، ان (اوقات) کے بعد (بلا اجازت آنے سے) تم پر اور ان پر کوئی گناہ نہیں، تم ایک دوسرے کے پاس بکثرت آیا جایا ہی کرتے ہو۔“[1]

یہ آیت کریمہ عزیز و اقارب کے ایک دوسرے کے ہاں جاتے وقت اجازت طلب کرنے کے حکم پر مشتمل ہے اور سورت کے شروع میں جس اجازت کا ذکر ہے وہ اجنبیوں کی ایک دوسرے سے اجازت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو حکم دیا ہے کہ ان کے غلام اور نابالغ بچے تین اوقات میں اجازت طلب کرکے ان کے پاس آیا کریں۔

① صبح کی نماز سے پہلے کیونکہ لوگ اس وقت اپنے بستروں میں آرام کررہے ہوتے ہیں۔

② ﴿ وَحِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِيْرَةِ ﴾ ”جس وقت دوپہر کو تم اپنے کپڑے

[1] النور 24: 58.

اتار دیتے ہو۔'' یعنی قیلولہ کے وقت کیونکہ اس وقت انسان معمول کے کپڑے اتار کر بیوی سے ہم بستر ہوتا ہے۔ ﴿وَمِنْ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ﴾ ''اور بعد نماز عشاء۔'' کیونکہ وہ سونے کا وقت ہوتا ہے، لہٰذا غلاموں اور بچوں کو بھی حکم دیا جائے کہ وہ ان مذکورہ اوقات میں عام لوگوں کی طرح اجازت لے کر آئیں کیونکہ اس بات کا امکان ہے کہ انسان اپنی بیوی سے ہم بستر ہو یا کسی ایسی حالت میں ہو جس میں وہ کسی کی مداخلت پسند نہیں کرتا، اسی لیے فرمایا: ﴿ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ ؕ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌۢ بَعْدَهُنَّ﴾ یعنی جب ان اوقات کے علاوہ دوسرے اوقات میں تم انھیں بغیر اجازت داخل ہونے دو تو تم پر کوئی گناہ نہیں۔ اور اگر ان تین اوقات کے علاوہ کوئی چیز انھیں نظر آجاتی ہے تو وہ گناہ گار نہیں ہیں کیونکہ انھیں بغیر اجازت داخل ہونے کی اجازت ہے، اس لیے بھی کہ تمھارے کام سرانجام دینے کے لیے ان کا تمھارے پاس آنا جانا رہتا ہے اور ہر وقت آنے جانے والوں کے لیے جو رخصت ہے، وہ دوسروں کے لیے نہیں ہے۔[1]

یہ آیت محکم ہے، منسوخ نہیں ہوئی۔ اور لوگوں نے اس پر عمل کرنے کو زیادہ اہمیت نہ دی تو سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے لوگوں پر تنقید کرتے ہوئے فرمایا: ''اجازت طلب کرنے والی اس آیت پر عملی طور پر اکثر لوگ ایمان نہیں لائے، میں تو اپنی لونڈی کو بھی حکم دیتا ہوں کہ اجازت لے کر آیا کرے۔''[2]

① المصباح المنير، ص: 952. ② سنن أبي داود، الأدب، باب في الاستئذان في العورات الثلاث، حديث: 5191.

48

پردہ اور بوڑھی خواتین

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِیْ لَا یَرْجُوْنَ نِكَاحًا فَلَیْسَ عَلَیْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ یَّضَعْنَ ثِیَابَهُنَّ غَیْرَ مُتَبَرِّجٰتٍۭ بِزِیْنَةٍ ؕ وَاَنْ یَّسْتَعْفِفْنَ خَیْرٌ لَّهُنَّ﴾

''اور گھروں میں بیٹھ رہنے والی (عمر رسیدہ) عورتیں جو نکاح کی امید نہیں رکھتیں تو ان پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ اپنے (پردہ داری کے) کپڑے اتار دیں جبکہ وہ (اپنی) زیب و زینت ظاہر کرنے والی نہ ہوں اور ان کا اس سے بھی بچنا ان کے لیے بہت بہتر ہے۔''[1]

آیت میں مذکور ''قواعد'' سے مراد وہ بوڑھی عورتیں ہیں جن کا حیض منقطع ہو گیا ہو یا وہ ہم بستری کے قابل نہ رہی ہوں یا بڑھاپے کی وجہ سے اولاد سے ناامید ہو چکی ہوں، یعنی نہ وہ اولاد کے قابل ہوں، نہ انھیں حیض آتا ہو۔''[2]

پس وہ نکاح کی خواہش مند ہوں نہ کوئی مرد ان کے ساتھ نکاح کی رغبت رکھتا ہو۔ ان کی یہ کیفیت ان کے بڑھاپے کی وجہ سے ہو کہ کسی کو اس میں رغبت ہی نہ ہو اور وہ خود بھی ایسی رغبت سے خالی ہوں یا شکل صورت کے لحاظ سے اس قدر گئی گزری ہوں

① النور 24: 60. ② حسن الأسوة، ص: 122.

کہ کسی کو ان کی طرف میلان بھی نہ ہو۔[1] رہی وہ عورت جس میں حسن و جمال کی کوئی جھلک باقی ہو اور اس میں رغبت کی صلاحیت ہو تو وہ اس آیت کے حکم میں داخل نہیں ہے۔[2]

پس اللہ تعالیٰ نے بوڑھی عورتوں کے لیے ظاہری لباس، مثلاً: اوڑھنی، چادر اور سر پوش (جو دوپٹے کے اوپر ہوتا ہے) اتارنے کی اجازت دی ہے کیونکہ کوئی ان کی طرف توجہ نہیں دیتا اور مردوں کو ایسی بوڑھی عورتوں میں کوئی رغبت بھی نہیں ہوتی، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے وہ امور جائز قرار دے دیے جو دوسری عورتوں کے لیے جائز نہیں رکھے۔[3]

پس ان کے لیے اپنے چہرے بے نقاب رکھنا جائز ہے کیونکہ اب انھیں کسی سے یا ان سے کسی کو کسی فتنے کا ڈر نہیں۔ چادر وغیرہ اتارنے کی اجازت سے یہ وہم پیدا ہوسکتا تھا کہ اس اجازت کا استعمال ہر چیز کے لیے ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس اشکال کو اپنے اس ارشاد کے ذریعے سے دور کردیا: ﴿غَيْرَ مُتَبَرِّجٰتٍۭ بِزِيْنَةٍ﴾ ''وہ اپنی زینت کو ظاہر کرنے والی نہ ہوں۔'' یعنی ظاہری لباس کو خوبصورت اور مزین کرکے لوگوں کو نہ دکھائیں، نہ زمین پر پاؤں مار کر چلیں کہ ان کی زینت ظاہر ہو کیونکہ عورت کی مجرد زینت، چاہے وہ پردے ہی میں ہو اور کشش و رغبت سے یکسر خالی ہو، بہرحال فتنے کا باعث ہے اور دیکھنے والے کو گناہ میں مبتلا کرسکتی ہے۔[4]

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَاَنْ يَّسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَّهُنَّ﴾ ''اور اگر وہ احتیاط

[1] تفسیر السعدي، ص : 672. [2] حسن الأسوة، ص : 122. [3] حسن الأسوة، ص : 122.
[4] تفسیر السعدي، ص : 672.

کریں تو ان کے لیے زیادہ بہتر ہے۔'' یعنی چادر یا دوپٹہ بھی نہ اتاریں اور پاک دامنی اختیار کرتے ہوئے محتاط ہی رہیں۔ ایسا اسی صورت میں ممکن ہے کہ ان اسباب کو بروئے کار لائیں جو عفت کے متقاضی ہیں۔ جس نے شادی کی اور ان امور، یعنی ظاہری لباس وغیرہ اتارنے کو ترک کردیا جن کی وجہ سے فتنے میں پڑنے کا خوف ہو تو یہ ان کے لیے ظاہری لباس اتارنے سے بہتر ہے۔[1]

آیت کے اختتام میں فرمایا: ﴿سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ۝﴾ یعنی ہمارا مقدس پروردگار تمام آوازوں کو سنتا ہے، نیتوں اور مقاصد کو جانتا ہے، اس لیے ان عورتوں کو ہر بری بات اور برے ارادے سے بچنا چاہیے اور انھیں یقین ہونا چاہیے کہ اللہ اس کی جزا دے گا۔[2]

49

قریبی رشتہ داروں کے گھر سے کھانا کھانے کی اجازت

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ وَّلَا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْۢ بُيُوْتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اٰبَآىِٕكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اُمَّهٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اِخْوَانِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخَوٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَعْمَامِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ

[1] حسن الأسوة، ص : 122، والمصباح المنير، ص : 953. [2] تفسیر السعدي، ص : 672.

عَمّٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخْوَالِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ خٰلٰتِكُمْ اَوْ مَا مَلَكْتُمْ مَّفَاتِحَهٗٓ اَوْ صَدِيْقِكُمْ ؕ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِيْعًا اَوْ اَشْتَاتًا ؕ فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ ﴾

”اندھے پر کوئی حرج نہیں اور نہ لنگڑے ہی پر حرج ہے اور نہ مریض پر کوئی حرج ہے اور نہ خود تم پر (کوئی حرج ہے) کہ تم اپنے گھروں سے کھاؤ یا اپنے باپ دادا کے گھروں سے یا اپنی ماؤں کے گھروں سے یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے یا اپنی بہنوں کے گھروں سے یا اپنے چچاؤں کے گھروں سے یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے یا اپنے ماموؤں کے گھروں سے یا اپنی خالاؤں کے گھروں سے یا ان (گھروں) سے جن کی چابیوں کے تم مالک ہو یا اپنے دوستوں کے گھروں سے، اس میں بھی کوئی حرج نہیں کہ تم مل کر کھاؤ یا الگ الگ، پھر جب تم گھروں میں داخل ہو تو اپنے لوگوں کو سلام کہو۔“ [1]

اس آیت کی شان نزول بیان کرتے ہوئے ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت لوگ ان مذکورہ لوگوں کے ساتھ مل کر کھانا ان سے نفرت کے باعث اور اپنی تکریم کی خاطر ناپسند کرتے تھے۔ وہ ایسا اس لیے بھی کرتے تھے، مبادا وہ ان سے کہیں زیادہ کھالیں اور ظلم ہو جائے۔ [2]

مطلب یہ ہے کہ وہ نابینے کے ساتھ کھانا اس لیے ناپسند کرتے تھے کہ اسے کھانا نظر نہیں آتا اور وہ کھانے کی انواع واقسام نہیں دیکھ سکتا، ممکن ہے اس کی پسندیدہ چیز، جسے وہ دیکھ نہیں سکتا، کوئی اور کھالے اور اس کی حق تلفی ہو۔ اور لنگڑے کے ساتھ

[1] النور 24 :61. [2] المصباح المنير، ص: 953، وتفسير الطبري : 219/19.

لیے نہیں کھاتے تھے کہ وہ صحیح طور پر بیٹھ نہیں سکتا۔ ممکن ہے اس کا ساتھی اس کے مناسب طور پر نہ بیٹھ سکنے کی وجہ سے زیادہ کھالے اور وہ بھوکا رہے، مریض کے ساتھ اس لیے نہیں کھاتے تھے کہ وہ صحت مند آدمی کی طرح کھا نہیں سکتا، لہٰذا انھوں نے ظلم سے بچنے کے لیے ان کے ساتھ کھانا ناگوارا کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما کر انھیں اس کی رخصت دے دی۔ [1]

رشتے داروں کے گھروں سے کھانے میں جو حرج تھا، اللہ تعالیٰ نے وہ حرج ختم کر دیا۔ اس کا آغاز بیٹوں کے گھروں سے کیا اور اس کی انتہا دوستوں کے گھروں پر کی۔

اور علماء نے ﴿اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْۢ بُيُوْتِكُمْ﴾ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اپنی اولاد کے گھروں سے تم کھا سکتے ہو۔ اس کی تائید حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَنْتَ وَمَالُكَ لِأَبِيكَ»

”تو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے۔“ [2]

اس سے مراد خود انسان کا اپنا گھر نہیں ہے کیونکہ یہ تو تحصیل حاصل ہے جس سے اللہ تعالیٰ کا کلام منزہ ہے، حرج کی نفی ان جگہوں کے بارے میں ہے جہاں گناہ کا گمان یا وہم ہو سکتا ہے۔ رہا انسان کا اپنا گھر تو وہاں گناہ اور حرج کا ادنیٰ سا شائبہ بھی نہیں۔ [3]

[1] الدر المنثور: 223/6، والمصباح المنير، ص: 953. [2] مسند أحمد: 204/2. [3] تفسير السعدي، ص: 672.

پھر اس سے متصل ماں باپ، بھائیوں، بہنوں، چچوں، پھوپھیوں، ماموؤں اور خالاؤں کا ذکر فرمایا۔ اسی طرح پھر ان گھروں کا ذکر فرمایا جن میں انسان کو تصرف کا اختیار دیا گیا ہو، مثلاً: کوئی کسی کو اپنے گھر میں اپنا وکیل یا ولی بناتا ہے تو اس کے لیے بھی اس گھر سے کھانے میں کوئی حرج نہیں۔

جو لوگ رشتے داروں کے ایک دوسرے کے ذمے نفقے کو واجب قرار دیتے ہیں، انھوں نے اسی آیت سے استدلال کیا ہے۔[1]

اسی طرح یہ آیت دوستوں کے گھروں سے کھانے میں کوئی مضائقہ نہ ہونے پر دلالت کرتی ہے جب کہ وہ ناگواری محسوس نہ کریں اور اس بات کا بھی یقین ہو کہ یہ ان پر بوجھ نہیں ہوگا اور اس کی حکمت سیاق کلام سے واضح ہے۔ ان مذکورہ نوعیت کے گھروں میں معروف عادت کے مطابق، قریبی رشتے داری، بے تکلفی اور دوستی کی وجہ سے کھاپی لینے میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھا جاتا، البتہ اگر ان مذکورہ بالا گھروں سے کھاپی لینے میں ناگواری اور بخل معلوم ہوجائے تو حکمت اور مقاصد سامنے رکھتے ہوئے کھانا پینا جائز ہے نہ حرج ہی رفع ہوتا ہے۔[2]

نیز گھر کے تمام افراد کے اکٹھا کھانے یا علیحدہ علیحدہ کھانے میں کوئی حرج نہ ہونے کا ذکر کیا ہے۔ یاد رہے کہ نفی حرج کی ہے، فضیلت کی نہیں ہے۔ اس لیے اکٹھے مل کر کھانا افضل ہے۔[3]

پھر اللہ تعالیٰ نے کسی بھی گھر میں داخل ہونے کے آداب کا تذکرہ کرتے ہوئے سلام کہنے کا حکم دیا ہے۔ گھر آباد ہو یا غیر آباد سلام بہرحال کہنا چاہیے، اس لیے کہ

① المصباح المنير، ص: 953. ② تفسير السعدي، ص: 673. ③ تفسير السعدي، ص: 673.

مسلمان باہمی مودت و رحمت اور شفقت میں جسد واحد کی طرح ہیں، لہٰذا تمام گھروں میں داخل ہوتے وقت بلا امتیاز سلام کہنا مشروع ہے۔ پھر اس سلام کی مدح کرتے ہوئے فرمایا:

﴿تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝﴾

"(یہ) اللہ کی طرف سے بابرکت (اور) پاکیزہ تحفہ ہے۔ اللہ اسی طرح تمھارے لیے آیات بیان کرتا ہے تاکہ تم سمجھو۔"[1]

50

میاں بیوی کا اولاد اور ایک دوسرے کے لیے دعا کرنا

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا ۝﴾

"اور وہ جو کہتے ہیں: اے ہمارے رب! ہمیں ہماری بیویوں اور اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا کر اور ہمیں متقیوں کا امام بنا۔"[2]

یہ آیت عباد الرحمٰن کی صفات بیان کرنے والی آیات کے ضمن میں وارد ہوئی ہے۔ پس ان کی صفات میں یہ بات بھی شامل ہے کہ وہ اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ ان کی

① النور 24 :61. ② الفرقان 25 :74.

پشت سے ایسی اولاد پیدا فرما جو تیری فرماں بردار اور تجھ وحدہ لاشریک ہی کی عبادت کرنے والی ہو۔[1]

پس وہ کہتے ہیں: اے باری تعالیٰ ایسے ساتھی، دوست احباب، بیویاں اور اولاد عطا کرنا جو ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک ہوں، یعنی ہمارے لیے سکون کا باعث ہوں، موجب عذاب نہ ہوں۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ''اس سے مراد یہ ہے کہ ایسے دوست احباب، بیویاں اور اولاد عطا کرنا جو اطاعت اور فرماں برداری کے دائرے میں رہ کر کام کریں اور انھیں دیکھ کر دنیا و آخرت میں ہماری آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔''[2]

حقیقت یہ ہے کہ مومن کے لیے اس سے بڑھ کر کوئی چیز اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک نہیں ہوسکتی کہ اس کے بیوی بچے اللہ تعالیٰ کے فرماں بردار ہوں۔ وہ آرزومند ہوتا ہے کہ ان کے ساتھ جنت میں چلا جائے تاکہ اس کا سرور دوآتشہ ہوجائے اور نیک بیوی بچوں کو دیکھ کر اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔[3]

شیخ عبدالرحمٰن سعدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب ہم اللہ کے نیک بندوں کے احوال و اوصاف کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ وہ بلند ہمت اور عالی مرتبت لوگ ہیں، اس لیے ان کی آنکھیں تب ہی ٹھنڈی ہوں گی جب وہ انھیں اپنے رب کا مطیع و فرماں بردار اور نیک اعمال کرتے ہوئے دیکھیں گے۔ گویا ان کی یہ دعا جو وہ اپنی بیویوں اور اولاد کی اصلاح کے لیے کرتے ہیں، درحقیقت خود ان کے اپنے ہی حق میں ہے کیونکہ اس دعا کا فائدہ خود انھی کو پہنچتا ہے، اس لیے انھوں نے اسے اپنے لیے ہبہ

[1] المصباح المنير، ص : 972. [2] تفسير الطبري : 9/424. [3] حسن الأسوة، ص : 125.

قرار دیتے ہوئے یوں عرض کیا: ﴿هَبْ لَنَا﴾ ''ہمیں عطا فرما۔'' ان کی اس دعا کا فائدہ عام مسلمانوں کو بھی ہوتا ہے کیونکہ مذکورہ لوگوں کی اصلاح سے ان بہت سے لوگوں کی اصلاح بھی ہوگی جو ان سے متعلق ہیں اور وہ ان سے مستفید ہوں گے۔

اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد: ﴿وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا﴾ ''اور ہمیں پرہیزگاروں کا امام بنا۔'' کا مطلب یہ ہے کہ اے ہمارے رب! ہمیں بلند درجہ عطا فرما، یعنی صدیقین اور اپنے کامل صالحین کے درجے تک پہنچا دے اور وہ ہے امامت دینی کا درجہ، یعنی وہ اپنے اقوال و افعال میں اہل تقویٰ کے لیے نمونہ بن جائیں۔ لوگ ان کے افعال کی پیروی کریں اور ان کے اعمال پر مطمئن ہوں۔ اہل خیر ان کے پیچھے چلیں اور ان سے راہنمائی حاصل کریں۔[1]

یہ دعا انھوں نے اس لیے کی کہ وہ اس امر کے متمنی تھے کہ ان کی عبادت ان کی اولاد اور ذریت کی عبادت کے ساتھ ملی ہوئی ہو اور ان کی رہبری اور ہدایت سے دوسرے لوگ بھی مستفید ہوں کیونکہ ایسا ہونا زیادہ باعث ثواب اور انجام کار کے لحاظ سے نہایت فیض رساں ہے۔[2]

جیسا کہ صحیح مسلم میں رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

«إِذَا مَاتَ الْإِنْسَانُ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ إِلَّا مِنْ ثَلَاثَةٍ: إِلَّا مِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ، أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ، أَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُو لَهُ»

''جب انسان فوت ہوجاتا ہے تو اس کے اعمال کا سلسلہ اس سے منقطع ہوجاتا ہے، سوائے تین اعمال کے: صدقہ جاریہ یا علم جس سے نفع حاصل کیا جاتا رہے یا

[1] تفسير السعدي، ص : 688. [2] المصباح المنير، ص : 973.

نیک اولاد جو اس کے لیے دعا کرے (یہ امور خیر جاری رہتے ہیں)۔"[1]

51

میاں بیوی کی باہمی مودت و رحمت

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمِنْ اٰیٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَیْهَا وَجَعَلَ بَیْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ۝﴾

"اور (یہ بھی) اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمھارے لیے تمھاری ہی جنس سے بیویاں پیدا کیں تاکہ تم ان سے سکون حاصل کرو اور اس نے تمھارے درمیان محبت اور رحمت پیدا کر دی، بلاشبہ اس میں ان لوگوں کے لیے عظیم نشانیاں ہیں جو غور و فکر کرتے ہیں۔"[2]

درج بالا آیت سے وہ متعدد آیات شروع ہوتی ہیں جو الوہیت میں اللہ تعالیٰ کے یکتا ہونے، اس کی عظمت کے کمال، اس کی مشیت کے نفوذ، اس کی قوت و اقتدار، اس کی صنعت کے جمال اور اس کی بے پایاں رحمت و احسان پر دلالت کرتی ہیں۔[3]

یہ کہ اس نے انھی کی جنس بشریت سے ان کے لیے عورتیں پیدا کیں۔ وہ ان کی بیویاں ہیں جو ان کے مناسب ہیں اور وہ (مرد) ان کے مناسب ہیں اور وہ ایک دوسرے

[1] صحیح مسلم، الوصیة، باب مایلحق الإنسان من الثواب بعد وفاته، حدیث: 1631.
[2] الروم 30: 21. [3] تفسیر السعدي، ص: 750.

سے مشابہت رکھتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے حواء علیہا السلام کو آدم علیہ السلام کی پسلی سے پیدا کیا اور اس کے بعد عورتوں کی پیدائش کا سلسلہ مردوں کی پشتوں اور عورتوں کی چھاتیوں سے (نکلنے والے پانی سے) شروع ہوا۔[1] اللہ تعالیٰ نے ایسا اس لیے کیا تاکہ وہ ایک دوسرے سے سکون حاصل کر سکیں اور ان کا ایک دوسرے کی طرف میلان اور باہمی مودت ہو۔ اگر تمام بنی آدم مرد ہوتے اور عورتیں کسی دوسری جنس سے ہوتیں تو ان میں اس قدر باہمی مودت اور رحمت نہ ہوتی۔ یہ اس مالک کا کمال احسان اور رحمت ہے کہ اس نے ان کی بیویاں انھی کی جنس سے پیدا کیں اور ان میں باہم مودت و رحمت پیدا فرمائی۔[2]

یعنی عصمت نکاح کے سبب ان میں باہمی مودت و محبت پیدا ہوتی ہے جس کی بنا پر وہ ایک دوسرے پر شفقت کرتے ہیں جب کہ نکاح سے پہلے ان میں باہمی مودت و محبت تو کجا کوئی جان پہچان بھی نہیں ہوتی۔[3]

نکاح و ازدواج پر مرتب ہونے والے اسباب کے ذریعے سے جو محبت و مودت کے موجب ہیں، بیوی سے لذت، تمتع، وجود اولاد کی منفعت، اولاد کی تربیت اور سکون حاصل ہوتا ہے۔ عموماً میاں بیوی میں باہم پائی جانے والی محبت و مودت کی مثال دیگر دو افراد میں نہیں پائی جاتی۔[4]

اس سے واضح ہوا کہ میاں بیوی کی باہمی محبت یک طرفہ نہیں ہوتی بلکہ یہ دونوں اپنی اپنی جگہ ایک دوسرے کے لیے مودت و محبت کے جذبات رکھتے ہیں۔ اس طرح

[1] حسن الأسوة، ص: 136. [2] المصباح المنیر، ص: 1052. [3] فتح القدیر: 4/275.
[4] تفسیر السعدي، ص: 750.

ان میں ہم آہنگی اور انس وسکون پیدا ہوجاتا ہے۔ دونوں ایک دوسرے سے مانوس ہوجاتے ہیں اور ایک دوسرے سے سکون حاصل کرتے ہیں۔ مرد عورت کو محبت اور رحمت کی وجہ سے اپنے ہاں رکھتا ہے تاکہ اس سے اس کی اولاد ہو۔ اسی طرح وہ عورت اس سے الفت ومحبت کی وجہ سے اس کی عصمت نکاح میں رہتی ہے۔ وہ نان ونفقہ اور رہائش وغیرہ میں بھی مرد کی محتاج ہوتی ہے، اسی لیے اس کے نکاح میں رہتی ہے۔

آیت کے اختتام میں فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی عظیم نشانیاں ہیں جو اس ذات پاک کی حیرت انگیز قدرت اور دلکش کارکردگی پر دلالت کرتی ہیں۔ ان میں صرف صاحبانِ عقل وبصیرت اور دانشور حضرات ہی غور وفکر کرتے ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّتَفَکَّرُوۡنَ ۝﴾

''بلاشبہ اس میں ان لوگوں کے لیے عظیم نشانیاں ہیں جو غور وفکر کرتے ہیں۔''[1]

52

ماؤں سے حسن سلوک کی تاکید

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ وَصَّیۡنَا الۡاِنۡسَانَ بِوَالِدَیۡہِ ۚ حَمَلَتۡہُ اُمُّہٗ وَہۡنًا عَلٰی وَہۡنٍ وَّ فِصٰلُہٗ فِیۡ عَامَیۡنِ اَنِ اشۡکُرۡ لِیۡ وَ لِوَالِدَیۡکَ ؕ اِلَیَّ الۡمَصِیۡرُ ۝ وَ اِنۡ جَاہَدٰکَ عَلٰۤی اَنۡ تُشۡرِکَ بِیۡ مَا لَیۡسَ لَکَ بِہٖ عِلۡمٌ ۙ فَلَا تُطِعۡہُمَا وَ صَاحِبۡہُمَا فِی الدُّنۡیَا مَعۡرُوۡفًا﴾

[1] الروم 30:21.

''اور ہم نے انسان کو اس کے والدین کے متعلق (حسن سلوک کا) حکم دیا ہے، اس کی ماں نے اسے (پیٹ میں) کمزوری پر کمزوری کے باوجود اٹھائے رکھا اور اس کا دودھ دو سال میں چھڑانا ہوتا ہے، (اور) یہ کہ تو میرا اور اپنے والدین کا شکر کر (بالآخر) میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔ اور اگر وہ دونوں تجھ پر زور ڈالیں کہ تو میرے ساتھ شرک کرے، جس کا تجھے علم نہیں تو ان کی اطاعت نہ کر اور دنیا میں معروف طریقے سے ان دونوں سے اچھا سلوک کر۔''[1]

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے والدین کے حقوق ادا کرنے کا حکم دیا ہے اور انسان کو والدین کے ساتھ حسن سلوک اور نیکی کرنے کی تاکید کی ہے، اس لیے کہ والدین کا انسان پر بہت بڑا حق ہے۔ وہی انسان کے وجود کا باعث بنے، پھر اس کی تربیت اور نشوونما کی، اس کا ہر ممکن خیال رکھا اور پوری توجہ اور انہماک سے اسے پروان چڑھایا۔ اللہ تعالیٰ انسان سے عنقریب اس تاکید کے متعلق سوال کرے گا کہ اس نے اس پر عمل کیا یا انحراف برتا۔ اگر اس نے اس کی حفاظت کی ہوگی تو اللہ نہ ختم ہونے والا بدلہ عطا کرے گا اور اگر اس وصیت اور تاکید سے انحراف کیا ہوگا اور اسے ضائع کردیا ہوگا تو وہ اسے سخت سزا دے گا۔

یہ وصیت ان کے ساتھ نرم ولطیف قول اور فعل جمیل کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی تاکید پر مبنی ہے۔ اس میں ان کے سامنے تواضع وانکسار، ان کے اکرام واجلال، ان کی ذمے داریاں اٹھانے اور ان کے ساتھ قولی یا عملی کسی بھی اعتبار سے ناشائستہ سلوک سے اجتناب کی تاکید بھی ہے۔[2]

[1] لقمٰن 31 : 15,14. [2] تفسير السعدي، ص :761.

پھر اللہ تعالیٰ نے اس سبب کا ذکر فرمایا جو والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا موجب و متقاضی ہے، ارشاد فرمایا: ﴿حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ﴾ ''اس کی ماں نے تکلیف پر تکلیف برداشت کرکے اسے (پیٹ میں) اٹھائے رکھا۔'' یعنی نہایت مشقت و جانکاہی سے اس کا بوجھ سنبھالے رکھا، وہ استقرار نطفہ ہی سے مشقتوں کا سامنا کرتی رہتی ہے، مثلاً: بعض چیزوں کے کھانے کو جی چاہنا (جبکہ بچے کی خاطر وہ نہیں کھاتی)، بیماری، کمزوری، حمل کا بوجھ، حالت میں تغیر اور پھر وضع حمل کے وقت شدید تکلیف کا مقابلہ کرنا۔

پھر فرمایا: ﴿وَّفِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ﴾ ''اور دو سال میں اس کا دودھ چھڑانا۔'' یعنی شیرخوار بچہ اپنی ماں کی پرورش، کفالت اور رضاعت کا محتاج ہوتا ہے۔ کیا اس ہستی کے ساتھ حسن سلوک نہ کیا جائے جو وفورِ محبت سے اپنے بچے کی خاطر یہ سختیاں برداشت کرتی ہے؟ کیا اس معظم ہستی کے بیٹے کو اس سے حسن سلوک کی تاکید اور وصیت نہ کی جائے؟[1]

اللہ تعالیٰ نے والدہ کا اولاد کی تربیت کرنے، ان کے لیے مشقت برداشت کرنے اور شب و روز ان کی خاطر جاگ کر تھکاوٹ برداشت کرنے کا ذکر اس لیے کیا ہے تاکہ اولاد کو اس کے یہ احسانات یاد دلائے جو اس نے ان کے ساتھ کیے ہیں۔[2]

جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا﴾

''اور کہہ دیجیے: اے میرے رب! ان دونوں پر رحم فرما جیسا کہ انھوں نے

① تفسير السعدي، ص: 761. ② المصباح المنير، ص: 1063.

بچپن میں میری پرورش کی ہے۔''[1]

پھر اللہ تعالیٰ نے خبردار کیا ہے کہ (اس سب کچھ کے باوجود) والدین، دونوں یا ان میں سے کوئی ایک دین کے معاملے میں آپ کو اپنے پیچھے لگانا چاہیں (جبکہ وہ کافر و مشرک ہوں) تو اس معاملے میں ان کی پیروی ہرگز نہیں کرنی ہے، خواہ ان کی تمنا کتنی بھی شدید ہو لیکن یہ بات (کہ وہ کافر ہیں) آپ کو ان سے حسن سلوک کرنے میں مانع نہیں ہونی چاہیے، یعنی والدین سے حسن سلوک ہر صورت میں کرنا ہے۔[2]

آیت میں اس بات کی ترغیب دلائی گئی ہے کہ والدین سے اختلافِ دین کے باوجود بھی تعلق ختم نہیں کرنا چاہیے حتی کہ اگر وہ کفر اور معاصی کی طرف بھی دعوت دیتے ہوں، تب بھی ان کی پیروی تو نہیں کرنی مگر حسن سلوک لازماً کرنا چاہیے۔ اس کی شدت سے تاکید ہے۔ ان سے اچھے سے اچھا سلوک کرنے اور مقاطعہ نہ کرنے کا حکم ہے لیکن اعتقادات میں ان کی اتباع درست نہیں بلکہ اس کے برعکس اللہ کی طرف رجوع کرنے والوں کے رستے کی پیروی کا حکم ہے۔ اس سے مراد اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان لانے والے اور اللہ کی طرف رجوع کرنے والے مراد ہیں۔ ان کے راستے کی پیروی یہ ہے کہ انابت الی اللہ میں ان کے مسلک پر چلا جائے۔ انابت سے مراد دل کے محرکات اور ارادوں کا اللہ تعالیٰ کی مرضی کی طرف مائل ہونا، اس کے قریب ہونا اور پھر بدن کا ان ارادوں کی پیروی کرنا ہے۔[3]

امام طبرانی نے اس آیت کی شان نزول ''کتاب العشرة'' میں یوں بیان کی ہے:

سعد بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت: ﴿وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ

① بنيٓ إسرآءيل 24:17. ② المصباح المنير، ص: 1063. ③ تفسير السعدي، ص: 761.

بِیْ مَا لَیْسَ لَکَ بِہٖ عِلْمٌ ۙ فَلَا تُطِعْهُمَا﴾ میرے بارے میں نازل ہوئی۔ فرماتے ہیں: میں اپنی والدہ کا نہایت فرماں بردار اور ان سے بہترین سلوک کرنے والا آدمی تھا۔ جب میں اسلام لایا تو میری والدہ نے کہا: اے سعد! یہ تو نے کیا نیا طریقہ (دین) اختیار کرلیا ہے؟ اسے چھوڑ دے ورنہ میں کھاؤں گی نہ پیوں گی بلکہ بھوکی پیاسی مرجاؤں گی، لوگ تجھے طعنہ دیں گے اور تجھے یوں پکاریں گے: اے اپنی ماں کے قاتل! میں نے کہا: امی جان! ایسی بات نہ کرو۔ میں یہ دین کسی قیمت پر نہیں چھوڑ سکتا۔ لیکن ایک دن رات گزر گیا، انھوں نے کچھ نہ کھایا، ان کی حالت خراب ہونے لگی۔ مزید ایک دن رات گزر گیا لیکن انھوں نے کچھ نہ کھایا، حالت مزید خراب ہوگئی۔ تیسرے روز بھی کچھ نہ کھایا تو ان کی حالت بہت زیادہ بگڑ گئی۔ میں نے جب یہ صورت حال دیکھی تو کہا: اماں جان! یاد رکھو، اللہ کی قسم! اگر تیری سو جانیں ہوں اور ایک ایک کر کے اسی طرح نکل جائیں، تب بھی میں اپنے اس دین کو نہیں چھوڑوں گا۔ اب تمھاری مرضی ہے۔ جی چاہے کھاؤ، نہ چاہے تو نہ کھاؤ۔ چنانچہ انھوں نے کھانا شروع کر دیا۔[1]

53

نبی ﷺ کی بیویوں اور عام عورتوں کو حصول علم اور عمل کا حکم

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

① المصباح المنیر، ص: 1063.

﴿يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۚ وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ۚ وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا﴾

”اے نبی کی بیویو! تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو۔ اگر تم تقویٰ اختیار کرتی ہو تو (کسی بھی غیر محرم سے) نزاکت سے (نرم لہجے میں) بات نہ کیا کرو کہ پھر وہ شخص جس کے دل میں روگ ہو، طمع کرنے لگے اور تم معقول بات کہا کرو۔ اور تم اپنے گھروں میں ٹک کر رہو اور گزشتہ دورِ جاہلیت کی زیب و زینت کی نمائش کے مانند (اپنی) زیب و زینت کی نمائش نہ کرتی پھرو اور نماز قائم کرو اور زکاۃ دو اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو، اے اہل بیت! بس اللہ تو چاہتا ہے کہ وہ تم سے ناپاکی دور کردے اور تمھیں خوب پاک کردے۔ اور تمھارے گھروں میں جو اللہ کی آیات اور حکمت (کی باتیں) پڑھی جاتی ہیں، وہ یاد کرو، یقیناً اللہ نہایت باریک بین، خوب باخبر ہے۔“[1]

یہ وہ آداب ہیں جنھیں اختیار کرنے کا اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کی بیویوں کو حکم دیا ہے اور ان کی پیروی میں امت کی دوسری عورتوں کو بھی ایسے ہی اخلاق و آداب اپنانے کا حکم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کی بیویوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر وہ اللہ کے حکم کے مطابق اللہ عزوجل کا تقویٰ اختیار کریں تو کوئی خاتون ان جیسی

① الأحزاب 33: 32-34.

ہوسکتی ہے نہ قدر ومنزلت اور فضیلت میں ان کی ہمسری کرسکتی ہے۔ پھر باری تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ﴾ امام سدی وغیرہ فرماتے ہیں: اس کا مطلب یہ ہے کہ مردوں سے گفتگو کرتے وقت لہجے میں لچک پیدا نہ کرو۔[1]

اس ارشاد گرامی میں انھیں حرام کی طرف لے جانے والے اسباب و ذرائع ترک کرنے کا حکم دیا گیا ہے کیونکہ جس شخص کے دل میں شہوت زنا کا مرض ہو، وہ ایسے ادنیٰ ترین محرک کا بھی منتظر رہتا ہے جو اسے مشتعل کردے کیونکہ اس کا قلب صحیح نہیں۔ اور صحیح دل میں کسی ایسی چیز کی شہوت ہی نہیں ہوتی جسے اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے۔ اس کے دل کے صحیح محسوسات اور مرض سے محفوظ ہونے کی وجہ سے اسباب گناہ اسے حرام شہوت کے لیے متحرک کرسکتے ہیں نہ اسے گناہ کی طرف مائل کرسکتے ہیں۔ اس کے برعکس جو دل بیمار ہے، وہ اس چیز کا متحمل نہیں ہوسکتا جس کا متحمل ایک صحت مند دل ہوسکتا ہے۔ وہ اس پر صبر نہیں کرسکتا جس پر صحت مند دل صبر کرسکتا ہے، لہٰذا ایک ادنیٰ سا سبب بھی اسے حرام کی دعوت دے تو وہ اس پر لبیک کہہ دیتا ہے اور گناہ کی طرف لپک پڑتا ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وسائل کے احکام بھی وہی ہیں جو مقاصد کے احکام ہیں۔ دھیمے لہجے میں گفتگو کرنا اور نرم کلامی اصل میں مباح ہیں مگر چونکہ اس طرح کی نرم کلامی حرام امر کے لیے وسیلہ بن سکتی ہے، اس لیے اس سے بھی روک دیا گیا۔ اس لیے عورت کے لیے یہی مناسب ہے کہ وہ مردوں سے مخاطب ہوتے وقت نرم لہجے میں بات نہ کرے۔[2]

جس طرح قرآن میں عورت کے لیے یہ تاکید ہے کہ وہ مردوں سے دھیمے لہجے

1 المصباح المنير، ص: 1087. 2 تفسير السعدي، ص: 779.

میں گفتگو نہ کرے، اسی طرح اس بات کی بھی ہدایت ہے کہ درشت کلامی سے بھی اجتناب کرے، یعنی بالکل اکھڑ بات نہ کی جائے بلکہ اعتدال کے ساتھ دستور کے مطابق گفتگو کرے۔

اسی طرح عورت کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنے گھر میں رہے، بلاضرورت گھر سے نہ نکلے، اس لیے کہ گھر زیادہ محفوظ اور سلامتی کا مقام ہے۔

خواتین کو جاہلیت کا سا بناؤ سنگھار کرکے اور خوشبو لگا کر گھروں سے باہر نکلنے سے بھی منع کیا گیا ہے۔

امام مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: عورت گھر سے نکلتی تھی تو مردوں کے آگے آگے چلتی تھی، اسی رویے کو تبرج جاہلیت کہا گیا ہے۔[1]

تبرج جاہلیت کا مطلب یہ ہے کہ بناؤ سنگھار کرکے اور خوشبو وغیرہ لگا کر بہت زیادہ اپنے گھروں سے نہ نکلا کرو جیسا کہ اہل جاہلیت کی عادت تھی جن کے پاس یہ علم تھا نہ دین۔ یہ حکم شر اور اس کے اسباب کو روکنے کے لیے دیا گیا ہے۔[2]

پھر اللہ تعالیٰ نے انھیں نماز قائم کرنے اور زکاۃ ادا کرنے کا حکم دیا ہے کیونکہ یہ سب سے بڑی عبادتیں اور جلیل القدر نیکیاں ہیں۔ نماز میں معبود کے لیے اخلاص اور زکاۃ میں اللہ تعالیٰ کے بندوں پر احسان ہے۔ پھر انھیں عمومی اطاعت کا حکم دیا۔ یاد رہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت میں ہر قسم کا معاملہ شامل ہے، چاہے اس کا حکم وجوب کے طور پر دیا گیا ہو یا استحباب کے طور پر، نیز اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ نبی ﷺ کی بیویاں اہل بیت میں سے ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿إِنَّمَا

1 المصباح المنير، ص: 1087. 2 تفسير السعدي، ص: 780.

﴿يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا﴾ ''اے اہل بیت! یقیناً اللہ تو چاہتا ہے کہ وہ تم سے ناپاکی دور کردے اور تمھیں خوب پاک کردے۔'' یہ آیت مبارکہ نبی ﷺ کی بیویوں کے اہل بیت میں ہونے پر نصِّ صریح ہے کیونکہ وہی اس آیت کی شانِ نزول کا سبب ہیں۔[1]

اور جب اللہ تعالیٰ نے ازواج مطہرات کو عمل کا حکم دیا جو ترک و اختیار پر مشتمل ہے تو پھر انھیں علم حاصل کرنے کا حکم بھی دیا اور اس کا طریقہ بھی بیان فرمایا: ﴿وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ﴾ ''اور تمھارے گھروں میں اللہ کی جو آیات پڑھی جاتی ہیں اور حکمت کی جو باتیں سنائی جاتی ہیں، انھیں یاد رکھو۔'' یہاں آیات الٰہی سے مراد قرآن اور حکمت سے مراد قرآن کے اسرار اور رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنا ذکر کرنے کا حکم دیا جو تلاوت قرآن کے ذریعے سے لفظی ذکر، اس کے معانی میں غور وفکر، اس کے احکام اور اس کی حکمتوں کے استخراج، اس پر عمل اور اس کی تاویل کے ذکر پر مشتمل ہے۔[2]

حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نعمت کو یاد کرو جس کی بدولت اللہ تعالیٰ نے لوگوں میں سے تمھیں خصوصی امتیاز سے نوازا ہے کہ وحی دیگر لوگوں کو چھوڑ کر تمھارے ہی گھروں میں نازل ہوتی ہے۔ آیات کا اختتام اللہ تعالیٰ کے بندوں پر لطف و کرم کے ذکر سے کیا ہے کہ وہی اکلوتی ہستی ہے جو اپنے بندوں کو مخفی طریقے سے خیر اور بھلائی عطا کرتی ہے اور شر سے بچاتی ہے جس کا انسان کو شعور تک نہیں ہوتا اور وہ مقدس ہستی اس طرح رزق عطا کرتی ہے کہ انسان کو اس کا

[1] المصباح المنير، ص: 1087. [2] تفسير السعدي، ص:780.

ادراک بھی نہیں ہونے پاتا۔[1]

54

نیک خواتین کے لیے اجر وثواب

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِيْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِيْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ ۙ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا﴾

''بے شک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں، مومن مرد اور مومن عورتیں، فرماں بردار مرد اور فرماں بردار عورتیں، سچے مرد اور سچی عورتیں، صابر مرد اور صابر عورتیں، عاجزی کرنے والے مرد اور عاجزی کرنے والی عورتیں، صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی عورتیں، روزہ دار مرد اور روزہ دار عورتیں، اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں اور اللہ کا بکثرت ذکر کرنے والے مرد اور ذکر کرنے والی عورتیں، ان سب کے لیے اللہ نے مغفرت اور اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔''[2]

اس آیت کی شانِ نزول کے بارے میں ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے،

[1] تفسير السعدي، ص: 780. [2] الأحزاب 33: 35.

وہ فرماتی ہیں کہ میں نے نبیٔ اکرم ﷺ سے عرض کی: (اللہ کے رسول!) کیا وجہ ہے قرآن میں جس طرح مردوں کا ذکر کیا جاتا ہے، اس طرح ہم عورتوں کا ذکر نہیں کیا جاتا؟ ایک روز میں اچانک منبر پر رسول اکرم ﷺ کے خطاب سے حیران رہ گئی۔ وہ فرماتی ہیں: میں اس وقت بالوں میں کنگھی کر رہی تھی، میں نے فوراً اپنے بال لپیٹے اور اپنے گھر کے ایک کمرے کی طرف چلی گئی۔ میں نے اپنی توجہ کھجور کے تنے کی طرف مرکوز کی (جسے آپ دوران خطبہ ٹیک لگانے کے لیے استعمال کرتے تھے) آپ منبر کے پاس کھڑے ارشاد فرما رہے تھے: ''اے لوگو! اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں فرماتا ہے: ﴿إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ ......﴾ آپ نے آخر تک آیت تلاوت کی۔[1]

اللہ تعالیٰ کا فرمان: ﴿إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ ......﴾ اس بات کی دلیل ہے کہ ایمان اور اسلام میں فرق ہے۔ ایمان خاص ہے جبکہ اسلام اس کے مقابلے میں عام ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قَالَتِ الْأَعْرَابُ آمَنَّا ۖ قُل لَّمْ تُؤْمِنُوا وَلَٰكِن قُولُوا أَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْإِيمَانُ فِي قُلُوبِكُمْ﴾

''دیہاتیوں نے کہا: ہم ایمان لائے۔ آپ کہہ دیجیے: تم ایمان نہیں لائے لیکن تم یوں کہو کہ ہم اسلام لائے اور ابھی تک ایمان تمھارے دلوں میں داخل (راسخ) نہیں ہوا۔''[2]

قنوت کا مطلب ہے کہ سکون و اطمینان کے ساتھ اطاعت و فرماں برداری کرنا۔

① مسند أحمد: 305/6، والسنن الكبرىٰ للنسائي: 431/6. ② الحجرات 49 : 14.

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ ۝﴾

''اور اللہ کے سامنے عاجزی کرنے والے بن کر کھڑے ہو جاؤ۔''[1]

پس اسلام کے بعد ایمان کا مرتبہ ہے، یعنی اسلام کی ترقی یافتہ صورت کا نام ایمان ہے، پھر ان دونوں کی تکمیل سے قوت قنوت پیدا ہوتی ہے۔ ﴿وَالصَّادِقِينَ وَالصَّادِقَاتِ﴾ پس سچائی نہایت قابل تعریف خوبی ہے، اس لیے بعض صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اسلام اور قبل از اسلام کسی دور میں بھی کوئی جھوٹ نہیں بولا، سچائی ایمان کی علامت ہے اور جھوٹ نفاق کی نشانی ہے۔ یقیناً جس نے سچ بولا، وہ نجات پا گیا۔[2]

صبر ایک مثبت عادت ہے جس کا مطلب ہے: مصائب و مشکلات میں ہمت سے کام لینا، ناگواریاں برداشت کرنا اور اس بات کا یقین رکھنا ہے کہ تقدیر میں جو کچھ لکھا ہے، وہ لامحالہ ہو کر رہے گا۔ اور پھر صبر و استقامت سے نوشتۂ تقدیر کا سامنا کرنا۔ حقیقی صبر صرف صدمے کی ابتدا کے وقت ہوتا ہے، یعنی مصیبت پہنچنے کے فوراً بعد اس کا برداشت کرنا مشکل ترین ہوتا ہے، پھر برداشت کی قوت پیدا ہو ہی جاتی ہے۔ یہ عادت کی سچائی اور اس کی استقامت ہے۔ اور خشوع کا مطلب، سکون، طمانیت، متانت و سنجیدگی، وقار اور عجز و انکسار ہے۔[3] اور خشوع کے عوامل خوف الٰہی اور اس کے سامنے جوابدہی کا احساس ہے جیسا کہ حدیث نبوی ہے:

«اُعْبُدِ اللهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ، فَإِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ»

① البقرة 2 : 238. ② المصباح المنير، ص : 1089 مختصرًا. ③ المصباح المنير، ص : 1089 مختصرًا.

"اللہ کی عبادت اس طرح کر جیسے تو اسے دیکھ رہا ہے اگر تو یہ کیفیت پیدا نہ کر سکے کہ تو اسے دیکھ رہا ہے تو (یہ کیفیت ضرور ہونی چاہیے کہ) وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔"[1]

اور صدقے کا مطلب ضرورت مند اور کمزور لوگوں کے ساتھ، جن کا کوئی ذریعہ آمدن ہو نہ کوئی کمانے والا، بھلائی کرنا ہے۔ انھیں اللہ کی فرماں برداری کرتے ہوئے اور اس کی مخلوق کے ساتھ احسان کے جذبے سے زائد از ضرورت اموال میں سے دینا۔ حدیث نبوی ہے:

«......وَالصَّدَقَةُ تُطْفِىءُ الْخَطِيئَةَ كَمَا يُطْفِىءُ الْمَاءُ النَّارَ»

"...... اور صدقہ گناہوں کو اس طرح ختم کر دیتا ہے جیسے پانی آگ کو ختم کر دیتا ہے۔"[2]

روزہ جسم کو صاف شفاف کر کے طبعی اور شرعی طور پر تمام آلائشوں سے پاک کر دیتا ہے۔ روزہ شہوت توڑنے کا بہترین ذریعہ ہے جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ! مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ، فَإِنَّهُ أَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَأَحْصَنُ لِلْفَرْجِ، وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ فَإِنَّهُ لَهُ وِجَاءٌ»

"اے نوجوانوں کی جماعت! تم میں سے جو نکاح کی استطاعت رکھتا ہے، اسے چاہیے کہ شادی کر لے کیونکہ نکاح نظر نیچی رکھنے اور شرمگاہ کو (بدفعلی)

1 صحيح البخاري، الإيمان، باب سؤال جبريل النبي ﷺ......، حديث: 50. 2 جامع الترمذي، الإيمان، باب ماجاء في حرمة الصلاة، حديث: 2616.

سے محفوظ رکھنے کا ذریعہ ہے اور جس میں نکاح کرنے کی طاقت نہ ہو، اسے روزے رکھنے چاہئیں کیونکہ وہ اس کی شہوت ختم کر دیتے ہیں۔"[1]

اس کے بعد موزوں اور مناسب سمجھتے ہوئے ﴿وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ﴾ کا ذکر کیا گیا، یعنی محرمات اور گناہوں سے اپنی عصمتوں کی حفاظت کرتے ہیں۔[2]

ان صفات کا اختتام "صفت ذکر" سے کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ﴾ یعنی وہ بیشتر وقت اللہ کے ذکر میں گزارتے ہیں۔ خصوصاً صبح و شام اور فرض نمازوں کے بعد مقررہ مسنون اذکار اہتمام کے ساتھ کرتے ہیں۔[3]

آیت میں مذکور لفظ "کثیر" اس بات کی دلیل ہے کہ قلب ولسان سے کثرت ذکر مشروع ومطلوب ہے۔[4]

اللہ تعالیٰ نے مذکورہ بالا صفات کے حاملین افراد کے لیے ان کے گناہوں کی معافی کا اعلان فرمایا ہے کہ ان سے سرزد ہونے والے گناہوں کے لیے اس نے مغفرت کا اہتمام کر رکھا ہے۔ اور انھوں نے اسلام، ایمان، قنوت، سچائی، صبر، خشوع، صدقہ و خیرات، روزے، پاک دامنی اور ذکر میں اطاعت وفرماں برداری کا جو طریقہ اختیار کیا ہے اس پر رب کریم انھیں اجر عظیم سے نوازے گا۔ اور "اجر" کی صفت "عظیم" کا ذکر کرنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس اجر سے بڑھ کر کوئی اور اجر نہ ہوگا اور جس سے بڑھ کر کوئی بڑا اجر نہ ہوگا، وہ جنت اور اس کی ہمیشہ رہنے والی، کبھی ختم نہ ہونے

1 صحيح البخاري، النكاح، باب قول النبي ﷺ: من استطاع منكم الباءة......، حديث: 5066,5065. 2 المصباح المنير، ص: 1090 مختصرًا. 3 تفسير السعدي، ص: 780. 4 حسن الأسوة، ص: 144.

والی اور کبھی زائل نہ ہونے والی نعمتیں ہوں گی۔[1]

55

منہ بولے بیٹوں کی مطلقہ بیویوں سے نکاح

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِذْ تَقُولُ لِلَّذِيٓ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَأَنْعَمْتَ عَلَيْهِ أَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللَّهَ وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللَّهُ مُبْدِيهِ وَتَخْشَى النَّاسَ ۚ وَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَاهُ ۖ فَلَمَّا قَضَىٰ زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنَاكَهَا لِكَيْ لَا يَكُونَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ حَرَجٌ فِيٓ أَزْوَاجِ أَدْعِيَآئِهِمْ إِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ۚ وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ مَفْعُولًا﴾

”اور (اے نبی! یاد کریں) جب آپ اس شخص (زید بن حارثہ) سے جس پر اللہ نے انعام کیا اور آپ نے بھی انعام کیا تھا، کہہ رہے تھے کہ تو اپنی بیوی (زینب) کو اپنے پاس رکھ اور اللہ سے ڈر اور آپ اپنے دل میں وہ بات (لے پالک کی مطلقہ سے نکاح) چھپاتے تھے جسے اللہ ظاہر کرنا چاہتا تھا اور آپ لوگوں سے ڈرتے تھے، حالانکہ اللہ زیادہ حق دار ہے کہ آپ اس سے ڈریں، پھر جب زید نے اس سے اپنی حاجت پوری کرلی تو ہم نے اس کا نکاح آپ سے کردیا تاکہ مومنوں کے لیے اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں (سے نکاح) میں کوئی حرج نہ رہے، جب وہ ان سے (اپنی) حاجت پوری

[1] حسن الأسوة، ص: 144.

کرلیں اور اللہ کا حکم تو (پورا) ہو کر ہی رہتا ہے۔“[1]

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کے لیے رحیمانہ تنبیہ کا انداز اپنایا ہے۔ یہ معاملہ سیدنا زید اور زینب رضی اللہ عنہا کے سلسلے میں اس وقت پیش آیا جب سیدنا زید رضی اللہ عنہ نے انھیں طلاق دے دی اور آپ ﷺ نے عدت کے بعد متبنّیٰ کی رسم کو باطل قرار دینے کے لیے (اللہ کے حکم سے) زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح کرلیا۔ آیت کی شانِ نزول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کے لیے ایک عام قانون مشروع کرنے کا ارادہ فرمایا کہ منہ بولے بیٹے، بہرحال حقیقی بیٹوں کے حکم میں داخل نہیں ہیں اور ان کی بیویوں کے ساتھ (طلاق وغیرہ کے بعد) متبنّیٰ بنانے والوں کے نکاح کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ یہ معاملہ ان امور عادیہ میں شمار ہوتا تھا جو کسی بہت بڑے واقعے کے رونما ہوئے بغیر ختم نہیں ہوسکتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ یہ قانون رسول اکرم ﷺ کے قول وفعل کے ذریعے سے وجود میں آئے۔ اور اللہ تعالیٰ جب کسی چیز کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کے لیے کوئی سبب مقرر کردیتا ہے۔ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو زید بن محمد ﷺ کہہ کر پکارا جاتا تھا جنھیں نبی ﷺ نے متبنّیٰ بنایا تھا۔ انھیں مسلسل زید بن محمد کہا جاتا رہا یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی: ﴿ادْعُوهُمْ لِآبَآئِهِمْ﴾ ”انھیں ان کے باپوں کے نام سے پکارو۔“ تب انھیں زید بن حارثہ کہا جانے لگا۔ ان کی بیوی زینب بنت جحش رسول اکرم ﷺ کی پھوپھی زاد تھیں۔ رسول اکرم ﷺ کے دل میں یہ بات تھی کہ اگر زید نے انھیں طلاق دے دی تو آپ ﷺ ان سے نکاح کرلیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بات مقدر ہی فرما دی۔ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا اور سیدنا زید رضی اللہ عنہ کے مابین کچھ ایسے واقعات رونما ہوئے جن کی بنا پر زید رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ

[1] الأحزاب 33: 37.

کی خدمت میں حاضر ہوکر حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو طلاق دینے کی اجازت مانگی۔[1]

اللہ تعالیٰ نے اس سلسلے میں اپنے نبی ﷺ کو خبر دیتے ہوئے فرمایا کہ انھوں نے اپنے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے کہا ہے: (اپنی بیوی کو اپنے پاس ہی روکے رکھو......) یہ وہی زید ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے اسلام اور اتباع رسول ﷺ کی نعمت سے سرفراز فرمایا اور (اے پیغمبر!) آپ نے بھی ان پر احسان کیا، یعنی انھیں غلامی سے آزاد کرایا۔ پھر وہ ایسے جلیل القدر سردار بن گئے جو جناب رسول اللہ ﷺ کے محبوب تھے اور انھیں ''حِبُّ رَسُولِ اللّٰهِ'' کہہ کر پکارا جاتا تھا اور ان کے صاحبزادے سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ محبوب ابن محبوب کہلاتے تھے۔[2]

رسول اکرم ﷺ نے ان کی شادی اپنی پھوپھی زاد سیدہ زینب بنت جحش اسدیہ رضی اللہ عنہا سے کی۔ وہ سال بھر ان کے نکاح میں رہیں، پھر ان میں باہمی رنجش پیدا ہوگئی۔ سیدنا زید رضی اللہ عنہ ان کی شکایت لے کر رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں آئے (وہ طلاق دینا چاہتے تھے) رسول اکرم ﷺ انھیں یہ رشتہ نبھانے کی تلقین فرماتے رہے کہ ﴿اَمۡسِكۡ عَلَيۡكَ زَوۡجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ﴾ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَتُخۡفِيۡ فِيۡ نَفۡسِكَ مَا اللّٰهُ مُبۡدِيۡهِ وَتَخۡشَى النَّاسَ ۚ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنۡ تَخۡشٰىهُ﴾ ''اور آپ اپنے دل میں وہ بات (لے پالک کی مطلقہ سے نکاح) چھپاتے تھے جسے اللہ ظاہر کرنا چاہتا تھا اور آپ لوگوں سے ڈرتے تھے، حالانکہ اللہ زیادہ حق دار ہے کہ آپ اس سے ڈریں۔'' سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: اگر محمد ﷺ وحی میں سے، جو اللہ نے کتاب کی صورت میں اتاری ہے، کچھ چھپاتے تو یہ آیت: ﴿وَتُخۡفِيۡ فِيۡ نَفۡسِكَ مَا اللّٰهُ مُبۡدِيۡهِ وَتَخۡشَى النَّاسَ ۚ وَاللّٰهُ

1 تفسير السعدي، ص: 781. 2 المصباح المنير، ص: 1091.

اَحَقُّ اَنۡ تَخۡشٰىهُ﴾ ضرور چھپاتے۔[1]

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان: ﴿فَلَمَّا قَضٰى زَيۡدٌ مِّنۡهَا وَطَرًا زَوَّجۡنٰكَهَا﴾ ''پس جب زید نے اس سے اپنی ضرورت پوری کرلی تو ہم نے اس کا نکاح آپ سے کردیا۔'' یعنی جب زید نے خوش دلی سے بربنائے عدم رغبت اسے جدا کردیا تو ہم نے آپ سے اس کی شادی کردی۔ یہ شادی خود اللہ تعالیٰ نے کی، یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ پر وحی کی کہ وہ زینب رضی اللہ عنہا سے بغیر ولی، عقد، حق مہر اور انسانی گواہوں کے مباشرت کریں (وہ آپ کی بیوی ہے)۔[2]

اور اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿لِكَيۡ لَا يَكُوۡنَ عَلَى الۡمُؤۡمِنِيۡنَ حَرَجٌ فِيۡۤ اَزۡوَاجِ اَدۡعِيَآئِهِمۡ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ یہ قانون ہم نے اس لیے بنایا تاکہ مومنوں کے لیے اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں سے شادی کرنے میں کوئی رکاوٹ اور اندیشہ باقی نہ رہے۔ واقعہ یوں ہوا کہ رسول اکرم ﷺ نے نبوت سے پہلے زید بن حارثہ کو متبنیٰ بنایا ہوا تھا اور انھیں زید بن محمد کہا جاتا تھا، جب اللہ تعالیٰ نے یہ نسبت ختم کردی اور فرمایا:

﴿وَمَا جَعَلَ اَدۡعِيَآءَكُمۡ اَبۡنَآءَكُمۡ ؕ ذٰلِكُمۡ قَوۡلُكُمۡ بِاَفۡوَاهِكُمۡ ؕ وَاللّٰهُ يَقُوۡلُ الۡحَقَّ وَهُوَ يَهۡدِى السَّبِيۡلَ ۝ اُدۡعُوۡهُمۡ لِاٰبَآئِهِمۡ هُوَ اَقۡسَطُ عِنۡدَ اللّٰهِ﴾

''اور نہ اس نے تمھارے لے پالکوں (منہ بولے بیٹوں) کو تمھارا (حقیقی) بیٹا بنایا ہے، یہ تو تمھارے اپنے منہ کی باتیں ہیں اور اللہ حق (بات) کہتا ہے اور وہی سیدھا راستہ دکھاتا ہے۔ ان (لے پالکوں) کو ان کے (حقیقی) باپوں کی نسبت سے پکارو، اللہ کے نزدیک یہ بہت انصاف کی بات ہے۔''[3]

1 تفسير الطبري: 303/10. 2 المصباح المنير، ص: 1092. 3 الأحزاب 33: 5,4.

پھر اس کی تاکیدِ مزید اور اظہار و اعلان کے لیے رسول اکرم ﷺ کی شادی سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے کر دی جب کہ سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے انھیں طلاق دے دی تھی۔[1]

یہ قصہ درج ذیل فوائد پر مشتمل ہے:

① ان آیات کریمہ میں دو لحاظ سے سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی مدح کی گئی ہے:

- اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں آپ کا نام ذکر کیا ہے جبکہ آپ کے علاوہ کسی صحابی کا نام قرآن میں نہیں آیا۔
- اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرمایا کہ اس نے زید رضی اللہ عنہ کو نعمت سے نوازا، یعنی اسلام اور ایمان کی نعمت سے سرفراز فرمایا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے گواہی ہے کہ زید ظاہری اور باطنی طور پر مسلمان اور مومن تھے ورنہ اس نعمت کو ان کے ساتھ مختص کرنے کی کوئی وجہ نہیں، سوائے اس کے کہ اس سے مراد نعمت خاص ہے۔

② جس شخص کو آزاد کیا گیا ہو، وہ آزاد کرنے والے کا ممنونِ نعمت ہے۔

③ منہ بولے بیٹے کی مطلقہ سے نکاح جائز ہے جیسا کہ اس کی تصریح کی گئی ہے۔

④ ان آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ عملی تعلیم لسانی تعلیم سے زیادہ بلیغ اور موثر ہوتی ہے، خاص طور پر جب عملی تعلیم قولی تعلیم سے مقرون ہو تو پھر ”سونے پہ سہاگہ“ ہے۔

⑤ انسان کے دل میں اپنی بیوی اور لونڈی کے علاوہ کسی اور عورت کی رغبت کا پیدا ہو جانا قابل گرفت نہیں ہے مگر اس شرط کے ساتھ کہ یہ رغبت یا محبت فعل حرام سے آلودہ نہ ہو۔ بندہ اس محبت پر گناہ گار نہیں، چاہے اس کی یہ آرزو بھی ہو کہ اگر اس کا

[1] المصباح المنیر، ص: 1092.

شوہر اسے طلاق دے دے تو وہ اس سے نکاح کرے گا مگر وہ کسی اعتبار سے ان کے درمیان جدائی ڈالنے کی کوشش نہ کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس بات کو اپنے دل میں مخفی رکھا۔

⑥ ان آیات کریمہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی شریعت کو واضح طریقے سے پہنچا دیا۔ آپ ﷺ کی طرف جو کچھ بھی وحی کیا گیا، وہ سب اپنے کامل معنوں میں پوری طرح پہنچا دیا اور کچھ بھی باقی نہیں رکھا حتیٰ کہ جس آیت میں آپ کو تنبیہ کی گئی تھی، وہ بھی پہنچا دی اور یہ چیز دلالت کرتی ہے کہ آپ ﷺ اللہ کے برحق رسول ہیں اور وہی بات کہتے ہیں جو آپ کی طرف وحی کی جاتی ہے اور آپ ﷺ اپنی بڑائی نہیں چاہتے۔

⑦ آیت کریمہ سے ثابت ہوتا ہے کہ جس سے مشورہ کیا جائے، وہ امین ہوتا ہے۔ جب بھی کسی معاملے میں اس سے مشورہ طلب کیا جاتا ہے تو وہ اپنے علم کے مطابق بہترین مشورہ دیتا ہے اور مشورہ طلب کرنے والے کے مفاد کو اپنی خواہش نفس اور غرض پر مقدم رکھتا ہے، چاہے اسے اپنے جذبات قربان ہی کرنے پڑیں۔

⑧ یہ بات متعین اور ہمیشہ کے لیے اٹل ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کے خوف کو بندوں کے خوف پر مقدم رکھے اور سب سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کا خوف ہی دلوں میں جاگزیں رہنا چاہیے۔

⑨ ان آیات کریمہ سے ام المومنین سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی فضیلت بھی عیاں ہوتی ہے کیونکہ ان کے نکاح کی اللہ تعالیٰ نے سرپرستی فرمائی جس میں کوئی خطبہ تھا نہ گواہ۔ اسی بنا پر سیدہ زینب رضی اللہ عنہا رسول اکرم ﷺ کی دیگر ازواج مطہرات پر فخر کا اظہار کرتے

ہوئے فرمایا کرتی تھیں: تمھارے نکاح تمھارے گھر والوں نے کیے ہیں اور میرا نکاح سات آسمانوں پر اللہ تعالیٰ نے کیا ہے۔

⑩ ان آیات سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ عورت شادی شدہ ہو اور اس کا شوہر موجود ہو تو اس سے نکاح جائز ہے نہ اس سلسلے میں کسی قسم کی کوئی کوشش کرنا جائز ہے تاوقتیکہ اس کا خاوند اس سے اپنی حاجت پوری کر لے (پھر اسے طلاق دے دے اور بعد ازاں طلاق کی عدت بھی پوری ہو جائے)۔[1]

اس طرح منہ بولے بیٹوں کی مطلقہ بیویوں سے نکاح کرنے کے رفع حرج کی وضاحت بھی ہوتی ہے۔ ''أَدْعِيَاءَ'' کا مطلب یہ ہے کہ عرب جسے متبنیٰ، یعنی منہ بولا بیٹا بناتے تھے۔ یہ ان کا عام رواج تھا۔ شریعت نے متبنیٰ کو حقیقی بیٹے کے قائم مقام بنانے کا اقدام باطل قرار دے دیا کیونکہ حقیقی بیٹے کی بیوی سے نکاح حرام تھا لیکن متبنیٰ کی بیوہ سے نکاح جائز قرار دے دیا گیا۔

56

دخول سے قبل طلاق ہو جائے تو عدت نہیں

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّونَهَا فَمَتِّعُوهُنَّ وَسَرِّحُوهُنَّ

① تفسير السعدي، ص: 782,781.

سَرَاحًا جَمِيلًا ۝﴾

''اے ایمان والو! جب تم مومن عورتوں سے نکاح کرو، پھر انھیں چھونے سے پہلے انھیں طلاق دے دو تو تمھارے لیے ان پر کوئی عدت نہیں کہ تم اس (عدت) کو شمار کرو، لہٰذا تم انھیں کچھ دے دلا کر نہایت اچھے طریقے سے رخصت کر دو۔''[1]

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ مومنوں کو آگاہ فرماتا ہے کہ وہ مومن عورتوں سے نکاح کریں، پھر اگر انھیں چھوئے بغیر طلاق دینے کی نوبت آ جائے تو اس صورت میں مطلقہ عورتوں پر کوئی عدت لاگو نہیں ہوگی مگر اس صورت میں بھی اللہ تعالیٰ مردوں کو حکم دیتا ہے کہ انھیں کچھ دے دلا کر رخصت کرو تاکہ ان کی اس دل شکنی کا کسی قدر ازالہ ہو جائے جو انھیں طلاق کی وجہ سے لاحق ہوئی ہے اور انھیں بغیر مخاصمت کے اچھے طریقے سے علیحدہ کر دو اور طلاق دینے کے لیے ان سے کسی چیز کا مطالبہ بھی نہ کرو۔

اس آیت سے یہ بھی استدلال کیا گیا ہے کہ طلاق صرف نکاح کے بعد ہوتی ہے۔ اگر کوئی شخص نکاح سے پہلے ہونے والی بیوی کو طلاق دے دے یا طلاق کو نکاح سے معلق کر دے تو یہ طلاق واقع نہیں ہوگی۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد گرامی ہے:

﴿إِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوهُنَّ﴾

''جب تم مومن عورتوں سے نکاح کرو پھر انھیں طلاق دے دو۔''

یہاں اللہ تعالیٰ نے نکاح کا ذکر پہلے کیا ہے اور طلاق کی بات بعد میں کی ہے۔ یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ نکاح سے پہلے طلاق کا کوئی موقع محل نہیں ہے۔[2]

① الأحزاب 33: 49. ② تفسير السعدي، ص: 784.

پس جس شخص نے یہ کہا کہ میں جس عورت سے شادی کروں، اسے طلاق ہے، اس کے اس قول کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا، نہ وہ قول مؤثر ہوگا۔ اس کی دلیل درج ذیل ارشاد نبوی ہے:

«لَا طَلَاقَ لِابْنِ آدَمَ فِيمَا لَا يَمْلِكُ»

''ابن آدم (آدمی) جس کا مالک نہیں، اس میں اس کی طلاق (مؤثر) نہیں ہے۔''[1]

اسی طرح درج ذیل ارشاد باری بھی اس کی دلیل ہے:

﴿فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّونَهَا﴾

''تمھارے لیے ان پر کوئی عدت نہیں کہ تم اسے شمار کرو۔''

علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ اگر عورت کو دخول سے پہلے طلاق دی جائے تو اس کے ذمے کوئی عدت نہیں ہے، وہ چاہے تو طلاق کے فوراً بعد نکاح کرسکتی ہے، البتہ جس خاتون کا خاوند فوت ہوجائے، اس کے لیے عدت گزارنا ضروری ہے۔ وہ چار ماہ دس دن عدت گزارے گی، چاہے اس کا شوہر دخول سے پہلے ہی فوت ہوا ہو، اس شکل میں عدت گزارنے پر بھی اجماع ہے۔

اور متعہ (فائدہ دینے) سے مراد یہ ہے کہ اگر مہر مقرر ہے تو اس کا نصف دیا جائے، بصورت دیگر اگر مہر مقرر نہیں ہے، تب بھی اس کی دل شکنی کے ازالے کے لیے اسے فائدہ ضرور پہنچایا جائے۔[2]

[1] مسند أحمد: 191/2، وسنن أبي داود، الطلاق، باب في الطلاق قبل النكاح، حديث: 2190. [2] المصباح المنير، ص: 1097.

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، انھوں نے فرمایا:

''اگر (دخول سے قبل طلاق دی جانے والی عورت کا) مہر مقرر کیا گیا ہو تو اس مقرر شدہ مہر کا نصف اسے دیا جائے اور اگر حق مہر مقرر نہیں کیا گیا تو اس صورت میں ہر انسان اپنی مالی استعداد کے مطابق اسے کچھ نہ کچھ ضرور دے۔ یہی بات سراحِ جمیل (اچھے طریقے سے رخصت کرنا) ہے۔''[1]

57

عورت اور پردہ

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّآ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰىهُ ۙ وَلٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَا مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ ۭ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ ۡ وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ ۭ وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔــلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَاۗءِ حِجَابٍ ۭ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ ۭ وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا ۭ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا﴾

''اے ایمان والو! تم نبی کے گھروں میں داخل نہ ہوا کرو، الا یہ کہ تمھیں

[1] تفسير الطبري: 308/10، والمصباح المنير، ص: 1097.

کھانے کے لیے اجازت دی جائے، نہ یہ کہ (وہاں جا کر) کھانا پکنے کا انتظار کرتے رہو لیکن جب تمھیں دعوت دی جائے، تب تم داخل ہو جاؤ، پھر جب کھانا کھا چکو تو منتشر ہو جاؤ اور (وہیں) باتوں میں نہ لگے رہو۔ بلاشبہ تمھاری یہ روش نبی (ﷺ) کو تکلیف دیتی ہے، چنانچہ وہ تم سے شرماتے ہیں اور اللہ حق بات سے نہیں شرماتا اور جب تم ان (ازواج نبی) سے کوئی چیز مانگو تو پردے کے پیچھے سے مانگو، یہ بات تمھارے دلوں اور ان کے دلوں کے لیے زیادہ پاکیزہ ہے اور تمھارے لیے یہ جائز نہیں کہ تم اللہ کے رسول کو ایذا دو اور نہ یہ (جائز ہے) کہ تم اس (کی وفات) کے بعد کبھی اس کی بیویوں سے نکاح کرو، بے شک تمھارا یہ فعل اللہ کے نزدیک بہت بڑا (گناہ) ہے۔''[1]

یہ حجاب کی آیت ہے اور اس میں شرعی احکام و آداب کا ذکر ہے۔[2]

اس آیت کا سببِ نزول ام المؤمنین سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے ولیمے کے موقع پر سرزد ہونے والی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی کوتاہی ہے۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جس روز ام المؤمنین سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی رخصتی ہوئی، آپ ﷺ نے (دعوت ولیمہ میں) ہمیں روٹی اور گوشت کھلایا۔ لوگ کھانا کھا کر چلے گئے مگر چند افراد کھانا کھانے کے بعد وہیں گھر میں بیٹھے بیٹھے باتوں میں مشغول ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے کچھ دیر انتظار فرمایا تاکہ یہ لوگ چلے جائیں، آپ ﷺ باہر نکل گئے اور شرم کی وجہ سے انھیں چلے جانے کو نہ کہا۔ میں آپ ﷺ کے پیچھے پیچھے گھر سے نکلا تو آپ ﷺ باقی ازواج مطہرات کے حجروں میں گئے، انھیں سلام کہا۔ انھوں نے دریافت کیا، اے اللہ کے رسول! آپ

1 الأحزاب 33 :53. 2 المصباح المنير، ص :1100.

نے (نئی) بیوی کو کیسا پایا؟ مجھے یاد نہیں کہ میں نے آپ کو اطلاع دی کہ لوگ چلے گئے ہیں یا کسی اور نے آ کر بتایا کہ وہ لوگ جا چکے ہیں، پھر آپ واپس گھر گئے۔ داخل ہوئے تو میں نے بھی آپ ﷺ کے ساتھ جانا چاہا لیکن آپ نے میرے اور اپنے درمیان پردہ لٹکا لیا۔ پھر پردے کا حکم نازل ہوا اور آپ ﷺ نے لوگوں کو وعظ کیا۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے انھیں یہ حکم تھا کہ ﴿لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ﴾ ''(اے ایمان والو!) نبی کے گھر میں داخل نہ ہو......''[1]

حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کے رسول! آپ کی بیویوں کے پاس آپ کے گھر میں نیک و بد ہر طرح کے لوگ آتے ہیں، اگر آپ امہات المؤمنین کو پردے کا حکم دے دیں تو؟ پھر اللہ تعالیٰ نے حجاب کی آیت نازل فرمائی۔[2]

آیت میں وارد نہی عام ہے، یعنی کسی بھی مومن کو بغیر اجازت لیے رسول اللہ ﷺ کے گھر نہیں جانا چاہیے۔[3]

مطلب یہ ہے کہ کھانے کے لیے داخلے کی اجازت لیے بغیر نبیٔ کریم ﷺ کے گھر میں داخل نہ ہوا کرو۔ اسی طرح کھانا تیار ہونے اور اس کے پکنے کا انتظار بھی (نبی ﷺ کے گھر میں) نہ کیا کرو اور کھانا کھا کر لوٹنے میں بھی تاخیر نہ کرو۔[4]

اس کے معنی یہ ہیں کہ تم دو شرائط کے ساتھ نبی ﷺ کے گھر میں داخل ہو سکتے ہو:

1 المصباح المنير، ص: 1100. 2 صحيح البخاري، التفسير، باب قوله: ﴿لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ......﴾، حديث 4791، وصحيح مسلم، النكاح، باب زواج زينب بنت جحش ونزول الحجاب، حديث: 1428. 3 حسن الأسوة، ص 154. 4 تفسير السعدي، ص: 786.

① داخل ہونے کی اجازت ملنے کے بعد۔

② تمھارا نبی ﷺ کے گھر میں بیٹھنا ضرورت کے مطابق ہو۔

پھر اس نہی کی حکمت اور فائدہ بیان کیا کہ ضرورت سے زائد نبی ﷺ کے گھر میں ٹھہرنے سے رسول اکرم ﷺ کو ایذا ہوتی ہے اور تمھارا وہاں بلاوجہ رکے رہنا آپ ﷺ پر گراں گزرتا ہے اور آپ ﷺ اپنے گھر کے کام کاج بھی انجام نہیں دے سکتے، نیز آپ ﷺ اس بات سے شرماتے ہیں کہ تمھیں یہ کہیں کہ تم چلے جاؤ کیونکہ آپ ﷺ اپنی فطری حیا کی وجہ سے ایسا نہیں کرتے تھے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے سے اس سے منع کر دیا۔ اسی طرح امہات المؤمنین کے پاس جانے سے بھی روک دیا گیا اور ان کی طرف دیکھنا مطلق ممنوع قرار دیا اور حکم دیا کہ اگر کوئی شخص ضرورت کے پیش نظر ان سے کوئی چیز لینا چاہتا ہے یا سوال کرنا چاہتا ہے تو اسے چاہیے کہ پردے کے پیچھے رہ کر عرضِ حال کرے۔[1]

اور انھیں دیکھنے سے منع کرنے میں حکمت یہ ہے کہ مردوں اور عورتوں کے دل پاکیزہ رہیں کیونکہ یہ طریقہ کسی قسم کے شبہے سے بعید تر ہے۔ اور انسان شر کی طرف دعوت دینے والے اسباب سے جتنا دور رہے گا تو یہ عمل اس کے قلب کے لیے اتنی ہی زیادہ سلامتی اور پاکیزگی کا باعث ہوگا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے تمام شرعی امور کی بہت زیادہ تفاصیل بیان کی ہیں اور یہ بھی واضح کیا ہے کہ برائی کے تمام وسائل، اسباب اور مقدمات ممنوع اور ان سے ہر ممکن دور رہنا مشروع ہے۔[2]

پھر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر آپ ﷺ کی بیویوں کی حرمت بیان کرتے ہوئے

① المصباح المنير ص:1101. ② تفسير السعدي، ص: 786.

فرمایا کہ مومنوں کو ہرگز زیب نہیں دیتا کہ وہ رسول اکرم ﷺ کے بعد آپ کی ازواج مطہرات سے شادی کریں کیونکہ یہ بات رسول اکرم ﷺ کو اذیت دیتی ہے کیونکہ وہ دنیا و آخرت میں آپ کی بیویاں اور مومنوں کی مائیں ہیں اور اولاد کے لیے ماؤں سے نکاح جائز نہیں۔[1]

تحقیق اللہ تعالیٰ نے بڑی سختی سے اس سے منع کر دیا اور ایسا کرنے والے کو وعید شدید سنائی جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا﴾

”بے شک یہ اللہ کے نزدیک بہت بُرا (گناہ کا کام) ہے۔“

امت مسلمہ نے اس حکم کی تعمیل کی اور ان امور سے اجتناب کیا جن کے کرنے سے اللہ تعالیٰ نے روکا تھا۔[2]

58

محرم سے پردہ نہ کرنے کا مسئلہ

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ فِيْٓ اٰبَآىِٕهِنَّ وَلَآ اَبْنَآىِٕهِنَّ وَلَآ اِخْوَانِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآءِ اِخْوَانِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآءِ اَخَوٰتِهِنَّ وَلَا نِسَآىِٕهِنَّ وَلَا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ ۚ وَاتَّقِيْنَ اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا﴾

① حسن الأسوة، ص: 155. ② تفسير السعدي، ص: 670.

''عورتوں پر اپنے باپوں اور اپنے بیٹوں اور اپنے بھائیوں اور اپنے بھتیجوں اور اپنے بھانجوں اور اپنی عورتوں اور اپنی ملکیت میں آنے والوں، یعنی لونڈی اور غلاموں (کے سامنے آنے) میں کوئی گناہ نہیں اور (اے عورتو!) تم اللہ سے ڈرتی رہو، بے شک اللہ ہر چیز پر گواہ ہے۔''[1]

جب اللہ تبارک و تعالیٰ نے عورتوں کو اجنبی (غیر محرم) مردوں سے پردے کا حکم دیا تو اس امر کی بھی وضاحت فرمائی کہ محرم مردوں سے پردہ ضروری نہیں جیسا کہ سورۂ نور میں ان مردوں کی تفصیل بیان فرمائی جن سے پردہ واجب نہیں ہے۔[2]

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ أَوْ آبَائِهِنَّ﴾

''اور اپنا بناؤ سنگار ظاہر نہ کریں مگر اپنے خاوندوں پر یا اپنے باپ دادا پر۔''[3]

درج بالا آیت میں مذکور قریبی (محرم) مردوں سے پردہ رسول اکرم ﷺ کی ازواج مطہرات کے لیے ضروری نہیں تھا اور عام مسلمان عورتوں کے لیے بھی مذکورہ بالا مردوں سے پردہ واجب نہیں بلکہ ان مردوں کے لیے دیکھنا اور کلام کرنا جائز ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿وَلَا نِسَائِهِنَّ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ دوسری عورتوں سے پردہ نہ کرنے پر بھی کوئی گناہ نہیں، یعنی وہ عورتیں جو دین میں ان کی ہم جنس ہیں۔ آیت کریمہ کے اس جملے کی رو سے کافر عورتیں اس حکم سے نکل جاتی ہیں۔ اور یہ احتمال بھی ہے کہ اس سے مراد جنسِ عورت ہے، تب معنی یہ ہوں گے کہ عورت سے پردہ نہ کرے۔[4]

[1] الأحزاب 33 : 55. [2] المصباح المنير، ص : 1102. [3] النور 24 : 31. [4] تفسير السعدي، ص : 787.

اور فرمان باری تعالیٰ ﴿وَلَا مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُنَّ﴾ کی رو سے غلام اور لونڈیوں کا بھی استثنا ہے کہ وہ انھیں دیکھ سکتے اور کلام کر سکتے ہیں۔[1] بشرطیکہ متعلقہ عورت پورے غلام کی مالک ہو۔

جب مذکورہ بالا مردوں سے پردہ نہ کرنے کی اجازت دی تو ان کے بارے میں اور ان کے علاوہ دیگر امور میں بھی بہر صورت تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا اور تاکید فرمائی کہ شریعت کے حرام کردہ کسی امر کا ارتکاب نہ ہو۔

لہٰذا انھیں تمام معاملات میں تقوے کے التزام کا حکم دیا اور پردے کے معاملے میں بھی تقویٰ ملحوظ رکھنے کو اُن جملہ امور میں سے قرار دیا (جن کا اہتمام ضروری ہے)۔

آیت کا اختتام اس بات پر کیا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا مشاہدہ کر رہا ہے اور بندوں کے تمام ظاہری اور باطنی اعمال دیکھ رہا ہے۔ ان کے تمام اقوال کو سن رہا ہے ان کی تمام حرکات اس کی نظر میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ انھیں ان اعمال کی پوری پوری جزا دے گا۔[2]

59

پردے کے فوائد

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ

[1] حسن الأسوة، ص : 155. [2] تفسير السعدي، ص : 787.